عفت موہانی

رقیب

رقیب

عفّت موہانی

RAQEEB
By. IFFAT MOHANI
Ed. 1992
PRICE RS. 50/- only

قیمت
پچاس روپئے

ناشر: نسیم بکڈپو ۔ ۳۵ جی بی مارگ لکھنؤ ۱۸
فون: ۲۴۵۳۳۴

پرنٹر نظامی آفسیٹ پریس لکھنؤ (بار اوّل ۱۹۹۲ء) باہتمام فہیم انہونوی

رقیب

جس قصبہ سے اُسے رخصت ہوئے پورے سولہ سترہ سال گذر چکے تھے! اور یہ مدّت بڑی لمبی تھی! نجانے اس عرصے میں اس کے جانے پہچانے کتنے لوگ دنیا سے گذر رہے تھے اور کتنوں نے یہاں آنکھیں کھولی تھیں!

آج وہ پھر انہی راستوں پر گامزن تھا۔ اس کی جیپ کچی کچی پگڈنڈیوں اور دھول اڑاتی گلیوں میں سے چیکے چیکے گذر رہی تھی، اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر تھے، نظریں آس پاس کے مناظر پر بھٹک رہی تھیں، وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کون سی تبدیلی اس قصبے میں رونما ہوئی تھی۔ مگر سب کچھ وہی تھا .... مولسری کے درخت، جھیو لکا جنگل، کروندے کی جھاڑیاں، جنگلی پھولوں کی بیلیں جو کہن سال درختوں سے لپٹی ہوئی اداس انداز میں حرکت کر رہی تھیں، گدلی گدلی ندی سست روی سے بہہ رہی تھی۔ پانی میں چند بھینسیں سر نکالے جگالی کر رہی تھیں، پانی سے ابھرے ہوئے پتھروں پر میلی کچیلی سی عورتیں کپڑے پٹخ پٹخ کر دھو رہی تھیں، ایک برگد کے درخت کے نیچے دس بارہ سال کا افلاس زدہ لڑکا بیٹھا تھا اس کی نظریں ان بھیڑوں پر تھیں جو اس کے سامنے سوکھی گھاس چر رہی تھیں۔

کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ قصبوں کی عام زندگی جلدی نہیں بدلتی، ترقی پسند ہوائیں ایسے سست ماحول پر بہت آہستہ روی سے گذرتی ہیں اور یہاں کسی کو ترقی کی پروا بھی نہیں ہوتی۔ وہ محنت سے روٹی کماتے اور بے فکری کی نیند سوتے تھے۔

رقیب،

ایک آہ پرویز کے لبوں پر آ کے دم توڑ گئی۔ دل سے ایک ہوک نکلی۔

اُس نے خائف ہو کر سوچا۔ کیا وہ اُس گھٹے ہوئے ماحول میں رہ بھی سکے گا۔

مگر اُسے ایک قرض چکانا تھا۔ پرانا قرض،

ایک شخص سے ملنا تھا۔

یہ سب زندہ بھی ہوں گے؟ کون بتا سکتا ہے!

راستہ بتدریج ویران اور ماحول افسردہ کن ہوتا جا رہا تھا۔ آسمان پر گہرے بھورے بادل چھائے ہوئے تھے۔ خنک اور خشک ہوائیں درختوں سے گذرتیں تو دل پر ایک نامعلوم سی اداسی مسلّط ہو جاتی!

ایک مدت گذر چکی ــــــ پرویز کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ افتخار زمانہ ہوا ختم ہو چکا اور اُسے میں نے قتل کیا تھا یقین کرنے والی بات ہی نہ تھی۔ وہ ہاتھ جو پیار سے اس کے گلے میں حمائل ہوتے تھے، اُنہی ہاتھوں نے اس پر خنجر سے وار کیا تھا! اگر افتخار زندہ ہوتا تو کیا وہ اس قصبے میں آنے کی جرأت کرتا؟ اُسے تو قصبے والے ہی بھول چکے ہوں گے۔

اور مراد صاحب، انجمہ، چاندنی، یہ سب کس حال میں ہوں گے، کہاں ہوں گے؟

اس کی جیپ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی، اب کچّے پکّے مکانات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ایک ویران سی مسجد دکھائی دی۔ اور پیچھے چھوٹ گئی، اسے یاد آیا۔ وہ اور افتخار دنوں اسی مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے تھے۔

قصبے میں اکثریت کچّے پکّے مکانوں ہی کی تھی، آبادی بھی قابل لحاظ نہ تھی ایک گھر اگر تھا تو بس افتخار احمد کا تھا۔ وہ بھی اس کا اپنا نہ تھا۔ اس کے مرحوم چچا کا تھا۔ اس کے والدین کے زہریلے بخار میں گذرنے کے بعد اس کے چچا چھ سال کے بے سہارا بچّے کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ وہ لاولد تھے اور عمر کی پچاسویں منزل پر پہنچنے کے بعد اولاد کی تمنا ایک بھولا بسرا خواب بن کر رہ گئی تھی

یا تو پھر قدرت نے انھیں اس لئے اولاد کی نعمت سے محروم کر رکھا تھا کہ افتخار کو ان کی سرپرستی میں آنا تھا۔ چچی بھی اور اپنی چچی نہ تھیں، انھوں نے چھ سال کے بچے کو سینے سے لگا لیا تھا اپنی اولاد سمجھ کر اس کی پرورش کی تھی، چند دنوں بعد افتخار ماں باپ کو بھول گیا۔ چچا اور چچی کی شفقت اور محبت نے ماں باپ کو یاد کرنے کی مہلت بھی نہ دی تھی، جب وہ دسویں کلاس میں پہونچا تب چچا دل کی بیماری میں چل بسے، ان کے بعد غم نصیب بوڑھی چچی بھی دو ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔

چچا نے ایک کافی بڑا مکان، اور اچھا خاصا سرمایہ چھوڑا تھا۔ اب وہ سب کچھ افتخار ہی کا تھا چچی نے اس سے کئی بار کہا تھا۔ کہ وہ مکان فروخت کر دے اور شہر جا بسے، مگر افتخار کو اپنا سیدھا سادہ قصبہ ہی پسند تھا۔ وہ یہیں پیدا ہوا تھا۔ یہیں پلا بڑھا تھا۔ یہیں کی ہوائیں اسے اچھی لگتی تھیں، پھر اس کے چند دوست بھی تھے جو اس کے اسکول میں اس کے ساتھ پڑھتے تھے وہ انکو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، دوستوں میں جمیل تھا۔ اس کی بہن نجمہ تھی، اس کے کرایہ دار مراد صاحب اور انکی بیوی تھیں جو افتخار کو بیحد چاہتے تھے۔

شہر آخر شہر ہوتا ہے، وہاں وسائل لامحدود ہوتے ہیں۔ ضرورتوں کا بھی کوئی انت نہیں ہوتا وہاں دوستی کوئی معنی نہیں رکھتی وہاں ہمسائے بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے، مگر یہاں، یہاں کی دنیا ہی محدود ہوتی ہے، سب کے دل ایک سے تھے، سب کی خوشیاں اور غم اپنے تھے، لوگ محبت کے معنی جانتے تھے، چنانچہ افتخار چچا ہی کے مکان میں مقیم رہا۔ بہت بڑا مکان تھا۔ باہر کا ایک کمرہ اپنے تصرف میں رکھ کر اس نے پچھلے اور پاس کے کمرے کرائے پر دے دئے تھے۔ اس طرح افتخار کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ پیدا ہو گیا۔ اب اسے کوئی بے آرامی یا تکلیف نہ تھی، سر پر اپنی چھت تھی۔ روپیہ تھا مخلص دوستوں کی رفاقت نصیب تھی وہ ایک صلاحیت پسند اور معقول لڑکا تھا۔ دولت اور دوستوں کی صحبت میں بگڑنے کے بہت امکان تھے لیکن وہ بگڑنے کی بجائے بنتا چلا گیا۔ اس میں دوسروں کو بنانے کا جذبہ بھی تھا۔

اس کے کرایہ داروں میں چند ضعیف العمر مرد اور عورتیں تھیں، لیکن ایک مختصر سا خاندان اسے بہت پسند تھا۔ وہ لوگ اس کے کمرے کے پاس والے تین کمروں میں رہتے تھے، انصاری صاحب انکی بیوی اور دو بچے تھے، لڑکا اسی کی عمر کا تھا۔ ایک سات آٹھ سال کی بچی تھی جو افتخار کے سامنے سرسبز لان پر کھیلا کرتی تھی، رفتہ رفتہ بچی سے اس کی دوستی ہو گئی۔

اور پھر انصاری صاحب کے بیٹے سے بھی اس کی دوستی ہونے لگی۔ اکثر جب بھی افتخار اپنے کمرے سے اسکول جانے کیلئے نکلتا۔ اسی وقت انصاری صاحب کا بیٹا بھی کمرے سے باہر آتا اُن میں رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہوتا، پھر بات چیت ہوتی۔ اور پھر دونوں دوست ہو گئے۔

انصاری صاحب کی بیوی کو جب معلوم ہوا کہ افتخار تنہا رہتا ہے، اپنا کھانا بھی خود پکاتا تھا تب انھوں نے دو تین مرتبہ بچی کے ہاتھ سے اس کے لئے کھانا بھجوایا۔

اُن کے سلوک کا بڑا گہرا اثر افتخار کے دل پر ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ مکاندار اور کرایہ دار میں دوستی محبت، اور خلوص کا اٹوٹ رشتہ استوار ہو گیا۔

افتخار اور پرویز ایک جان دو قالب ہو گئے تھے!

اب پرویز بھی ان کے گھر کا ایک فرد تھا۔

گھر کا ایک فرد ———

پرویز کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری، اس نے جیپ کی رفتار اور کم کر دی۔ ایک گنجان درخت کے سائے تلے جیپ روکی اور پاس رکھی ہوئی ٹوکری سے تھرماس اٹھا کر اس سے کافی گلاس میں انڈیلی، دو تین گرم گھونٹ حلق سے اترے، تب اس کے مایوس اور جذباتی خیالات میں تبدیلی آئی۔

افتخار کا گھر قریب ہی تھا۔ لیکن کیا وہ ایک عرصے کے بعد اپنے گھر جا سکے گا، اب کون کون ہو گا اس کے گھر میں؟ اسے پہچانے گا کون، جب وہ یہاں سے بھاگا تھا تب بائیس تیئس

سال کا نوجوان تھا۔ اس کی عمر اب چالیس کے قریب پہونچ رہی تھی، اس کے چہرے پر دقت کی گرد بھی بال سفید ہونے لگے تھے اور داڑھی میں اس کی پہچان مشکل تھی۔ داڑھی اس نے جان بوجھ کے رکھی تھی۔

کافی نے اُسے تقویت پہونچائی تھی، جیسے افسردہ کن خیالات گرم کافی میں گھُل گئے تھے اس نے جیب سے ایک الائچی نکالی، اسے چھیلے بغیر منھ میں ڈال لیا اور بجبارگی جیپ کی رفتار تیز کر کے افتخار کے مکان پر پہونچ گیا۔ اور اس نے بڑے تعجب سے دیکھا کہ گرد و پیش میں بھی کچھ بدلا نہ تھا۔ جیسے اس کے جانے کے بعد وقت اس گھر پر اور اس قرب و جوار پر منجمد ہو گیا تھا۔

اس کی جیپ دیکھ کر چند خستہ حال بوڑھے اور غریب بچے پاس سے نکل گئے، دو تین عورتیں نل پر پانی بھر رہی تھیں۔ ایک شاندار جسیم شخیم اور باوقار آدمی کو جیپ میں بیٹھے دیکھ کر انھوں نے اپنے اپنے آنچل سروں پر ڈال لئے۔ اور اس کی طرف سے پیٹھ پھیر لی، جلدی جلدی گھڑے کمر پر لادے اور تیز تیز قدموں سے چل دیں۔

اس کی نظریں مکان کے دروازے پر لگ گئیں، وہی سیاہ لکڑی کا بڑا دروازہ تھا۔ ذیلی کھڑکی نیم وا تھی، دروازے پر نیب کے عظیم الشان درخت نے گھنا سایہ کر رکھا تھا، ہوا فرّاٹے بھر رہی تھی، پتے تالیاں بجا رہے تھے۔ اور غیر محسوس پھوار گرنے لگی تھی!

اس کا دل دھڑکنے لگا، کیا یہاں بینش ہوگی، جو پریہ سے وہ مل سکے گا۔ اور ابّا اماں، میرے خدا۔

کس سے ملنے آیا تھا، کس کا نام لے کر آواز دے گا۔ اور خود اپنا نام کیا بتائے گا۔

اپنے بھاری بھرکم وجود کو کانپتے قدموں پر سنبھالے وہ گاڑی سے اُترا۔ دونوں ہاتھوں سے بکھرے ہوئے بال برابر کئے، دل کو تقویت دینے کیلئے لباس کی درستگی کا بہانہ بنایا اور آگے بڑھ کر کنڈی بجادی۔

دو منٹ بعد دروازے کے پاس رنگین لباس کی جھلک دکھائی دی اور پرویز کے ہونٹ پھر خشک ہونے لگے۔

"کون صاحب ہیں؟" نسوانی آواز میں تھکن تھی۔

"جی۔ میں۔ میں۔ شاہد ہوں" جلدی میں اُسے یہی نام سوجھا "انصاری صاحب سے ملنے آیا ہوں۔" کیا ابا مجھے پہچان سکیں گے؟ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟" ایک دوسری آواز سنائی دی

"جی! میں بڑی دُور سے آرہا ہوں" اس نے جواب دیا "انجو بر سے"

"اچھا، اچھا"

"براہ کرم انصاری صاحب کو اطلاع دیجیے، ان سے ملنا بہت ضروری ہے"

"آپ اسٹیشن سے سیدھے یہیں آرہے ہیں؟"

"ہوائی اڈے سے، ایک رات ہوٹل میں گذاری تھی"

اس نے ایک گہری سانس کی آواز سُنی "شاہد صاحب! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ سولہ سال پہلے انصاری صاحب کا انتقال ہو گیا تھا"

"انتقال ہو گیا" پرویز کی سانسیں رکنے لگیں "خدایا! ابا ختم ہو چکے!" اس نے اپنی بکھری ہوئی آواز کو سنبھال کر پوچھا "اور انکی بیگم صاحبہ، ان کا کیا حال ہے؟"

"وہ کہاں ہیں بھائی صاحب!" اندر سے کہا گیا "آپ کو تو کچھ خبر ہی نہیں۔ ان کا تو بہت دردناک حشر ہوا تھا"

"کیا ہوا تھا؟" پرویز کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ کھڑا نہ رہ سکے گا۔ اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔ اور دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

"ان کا بیٹا کوئی جرم کر کے کہیں بھاگ گیا تھا" آواز میں نفرت بھی شامل ہو گئی تھی "برسوں

اس کی خیر خبر نہیں ملی۔ اس کے غم میں پاگل ہوگئیں، دو برس تک پاگل رہیں۔ پھر شوہر کی قبر پر سر پھوڑ کے مر گئیں۔

"آپ کون ہیں؟" پہلی آواز نے پوچھا "انصاری صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ اب وہ تو ہیں نہیں، بتائیے! کیا یہاں آپ کا کوئی دوست اور ہے، ہم اس کے پاس آپ کو پہونچا دیں گے؟"

اندھے کنوئیں سے ابھرتے ہوئے مُردہ لہجے میں پرویز نے پوچھا۔ "شاید آپکو معلوم ہو کہ انصاری صاحب کی ایک بچی بھی تھی، کیا وہ ——؟"

"آپ نزہت کو پوچھ رہے ہیں؟"

"جی ہاں!"

"اس کی شادی ہو گئی، اپنی سسرال میں ہے۔"

"کہاں ہے اس کی سسرال؟"

"تھرپار کہیں ہے، تین بچے ہیں، تھرپار میں پڑھتے ہیں۔ ان کا دل یہاں نہیں لگتا برسوں ہو گئے نہیں آئی ہے بچاری"

دفعتہً بارش میں تیزی آگئی، عورتیں کھسر پھسر کرنے لگیں، پرویز نے سوچا اب وہ بیزار ہو رہی ہونگی۔ بھیگ بھی رہی تھیں چنانچہ اس نے جلدی سے کہا

"اچھا محترمہ! بہت بہت شکریہ! اب میں چلتا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو میں کل صبح آکے یہاں سے اپنی چیزیں لے لوں۔"

"کیا؟ آپ کی چیزیں ہمارے گھر کہاں سے آئیں؟" حیرت سے خاتون نے پوچھا

"شاید آپ کو معلوم نہیں!" آہ بھر کر پرویز نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ "میں انصاری صاحب کے پاس اپنے کچھ ضروری کاغذات امانت کے طور پر رکھوا گیا تھا۔ اگر ان کا سامان

موجود ہے تو میں ایک نظر دیکھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے، ان کا سامان ان کے کمرے میں محفوظ ہے، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا، آپ صبح کو آ کے دیکھ لیجئے گا۔"

"اچھا! محترمہ شکریہ! میں چلتا ہوں۔"

"سنئے!"

"جی ـــ!" وہ مڑا۔

"بارش ہو رہی ہے، آپ بھیگ گئے ہیں، اندر آ جائیے، میں ویلان خانہ کھلواتی ہوں چائے پی لیجئے، بارش رک جائے تو چلے جائیے گا۔"

"جی ـــ!" وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح مکان کے اندر جانا نصیب ہو جائے۔

"اُس طرف جو زینے ہیں، اُدھر سے آئیے!"

اسے یہ سب کچھ بتانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، انہی زینوں سے وہ لاکھوں بار اترا چڑھا تھا لیکن اسے دکھاوے کی اداکاری تو کرنی ہی تھی جب اندر سے ایک چھوٹا سا بچہ اس کی رہبری کے لئے نکلا تو وہ اس کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے زینے پر قدم رکھا تھا کہ دل الٹ سا گیا۔ اسے یاد آ گیا۔ بہت برسوں پہلے جب وہ یہاں آیا تھا۔ تب افتخار نے اُس کے اگلے زینے پر کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اسے گویا اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا افتخار ـــ میرے مرحوم مظلوم دوست۔ اگر آج تم ہوتے ـــ تم ہوتے تو شاید میں اس دروازے پر آنے کی ہمت بھی نہ کر سکتا تھا۔ کیا مجھ میں اتنی جرأت ہوتی کہ میں تم سے نظریں چار کر سکتا اپنے بے قصور مقتول سے، شاید نہیں۔

بچے نے ایک بند دروازے کے پاس پہونچ کر کہا "اوپر کنڈی لگی ہے، آپ کھول لیجئے! اور اندر بیٹھئے، میں چائے لے کے ابھی آتا ہوں۔ امی نے پوچھا ہے، آپ چائے کے ساتھ

کچھ لیں گے، بسکٹ، کچوریاں یا نمک پارے، نمک پارے امّی بہت مزیدار بناتی ہیں۔"

"نہیں بیٹے کچھ نہیں!" انھوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "مجھے بسکٹ وغیرہ کچھ نہیں چاہیئے، صرف چائے دے جاؤ، ذرا پانی رک جائے تو میں چلا جاؤں گا۔"

لڑکا اسے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ اور جاتے جاتے دھندلا سا بلب آن کر گیا۔

انھوں نے ایک گہری سانس لیکر کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی، ہر سو ویرانی چھائی ہوئی تھی سال خوردہ میز کرسیوں پر ایک ایک انگل گرد تھی، دیوار گیر سنگی الماریوں میں بھٹا بنڈلس کاغذ بھرے ہوئے تھے، پرچھتی پر ایک پرانا سوٹ کیس اور بستر بند رکھا تھا، ایک تلخ مسکراہٹ اُن کے لبوں پر بکھری، یہ چیزیں تو ان ہی کی تھیں، بدحواسی اور گھبراہٹ کے عالم میں بھاگتے ہوئے بھلا اتنا دھیان کسے تھا کہ سوٹ کیس اور بستر بند بھی ساتھ لیتے، اب تو غالباً اُن کے کپڑے بھی دیمک اور جھینگروں کی عمدہ خوراک بن چکے ہوں گے! چند سو کی رقم بھی ایک پرس میں تھی، وہ بھی شاید کپڑوں میں رکھی ہو! ان کی ہمت نہ پڑی کہ وہ کرسی پر چڑھ کر سوٹ کیس اتارتے اور اس کا جائزہ لیتے!

پانچ منٹ بعد لڑکا ایک چھوٹی سی ٹرے میں چائے کی پیالی اور طشتری میں نمکین سیو رکھے اندر آیا۔ کانچ کے شفاف گلاس میں پانی تھا جس میں برف کی ننھی ننھی ڈلیاں تیر رہی تھیں۔

"شکریہ بیٹے! اپنی امی سے میرا سلام کہنا"، انھوں نے کہا "پانی رکنے لگا ہے بس تھوڑی ہی دیر بعد میں چلا جاؤں گا۔"

"آپ بیٹھئے انکل!" لڑکے نے کہا "ابھی تو اچھی خاصی بارش ہو رہی ہے، آپ کو جانا کہاں ہے؟"

"زیادہ دور نہیں۔" انھوں نے سیو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر باقی طشتری لڑکے کو تھما دی۔

"میں اکیلا اتنی چیزیں کیسے کھاؤں گا۔ تم بھی تو لو، چائے پیتے ہو؟"

"جی نہیں امّی منع کرتی ہیں۔"

"بس اسٹیشن کے پاس جو ہوٹل ہے، میں فی الحال وہیں ٹھہرا ہوں!" انھوں نے چائے کے گرم گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا "آپ کے والد صاحب کا کیا نام ہے؟"

"الطاف احمد صاحب!"

"کیا کرتے ہیں؟" چائے ختم کر کے انھوں نے کپ کشتی میں رکھدیا۔

"جونیئر کالج میں انگریزی پڑھاتے ہیں"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"احتشام احمد! میں نویں کلاس میں پڑھتا ہوں، مجھ سے چھوٹا ریاض ہے وہ تیسری جماعت میں ہے۔"

"اچھا، اچھا" انھوں نے اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ کون صاحب تھے یہ الطاف احمد، لیکن یاد نہ آیا۔

احتشام کشتی اٹھا کے کھڑا ہو گیا۔

"آپ کیلئے پان بنوا لاؤں؟" اس نے پوچھا

"نہیں بیٹا میں پان نہیں کھاتا" ان کے جی میں آیا کہ وہ اس سے اسکی ماں کا نام بھی پوچھ لیں، مگر نہ جانے وہ خود کیا سوچتا اور جا کے اپنی ماں سے کہتا تو وہ کیا خیال کرتیں۔ لڑکے کے جانے کے بعد انھوں نے کرسی گھسیٹ کر چھپّی کے پاس رکھی اور اس پر چڑھ کر سوٹ کیس اتار لیا اسے زمین پر رکھ کر آہستہ سے ڈھکن کھولا تاکہ گرد نیچے گر جائے اور پھر دھندلی آنکھوں سے اندر کا جائزہ لیا۔ سوٹ کیس کے اندر وقت جامد ہو گیا تھا اس کے اوپر سے پینتیس سال کے گذر چکے تھے، مگر اندر سے نہیں، ملبوسات کی شفاف تہہ جوں کی توں رکھی تھی، ان پر چھوٹا سا تولیہ بچھا تھا۔ ایک کونے میں مفلر اور موزے ٹھنسے ہوئے تھے انھوں نے قمیص کی تہہ الگ کی اور بٹوہ رکھا ہوا مل گیا اسے کانپتی انگلیوں سے کھولا اور اس کا اثاثہ اپنی گود میں

گرالیا۔ ایک خط تہہ کیا ہوا اور سو سو کے چھے سات نوٹ گود میں گر گئے۔ کچھ ریزگاری بھی تھی، رقم کو یوں ہی چھوڑ کر انھوں نے خط کھولا۔ اک آہ دل سے نکلی اور آنسو بن کر کے آنکھوں میں پھیل گئی ۔۔۔

پیارے دوست! دل پر پتھر رکھ کر تم سے جدا ہو رہا ہوں، تمہارے سامنے تو میں نہیں رو دیا۔ مگر راستے بھر روتا رہا۔ بڑا بوجھ ہے دل پر، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم سے دور کیسے رہوں گا۔ کبھی الگ رہا نہیں نا، اسی لئے بڑا صدمہ محسوس کر رہا ہوں، اگر اماں کی کسمپرسی اور ابا کی ضعیفی کا خیال نہ ہوتا تو کبھی یہ ملازمت قبول نہ کرتا۔ بے حد مجبور ہوں، آج ایک ہفتہ ہو رہا ہے، یہاں آئے ہوئے، مگر پل بھر کے لئے بھی جی نہیں لگ سکا، تمہارے پاس بھاگ آنے کو جی چاہ رہا ہے، شاید ۲۰ سے چھٹیاں شروع ہوں گی، دن انگلیوں پر گن رہا ہوں، پہلے ہی دن بھاگ آؤں گا میرا انتظار کرو، تم کیسے ہو؟ اماں ابا کا خیال رکھنا، سب سے سلام دعا کہنا

والسلام، تمہارا افتخار حسین

خط کی ایک ایک سطر نے ان کے دماغ میں یادوں کے دریچے کھول دئیے، دل سے ہوک اٹھی۔ خط کا زمانہ جیسے جان کا تھا لیکن اس زمانے کے مکیں اب کہاں تھے، اماں ابا افتخار اس کی بہنیں، ننھی منی بہن جو اس کی دوست بن چکی تھی، اب تو بہت بڑی ہو چکی ہوگی۔ انھوں نے خط جیب میں رکھا، بٹوہ ہاتھ میں لیا۔ اور سوٹ کیس بند کر کے پھر اوپر رکھ دیا۔ کرسی میز کے پاس رکھی اور آگے بڑھ کر زینے کے پاس والا دروازہ بجایا۔

"جی فرمائیے!" دو منٹ بعد آواز آئی

"میری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی"، انھوں نے کہا "شرمندہ ہوں، اب مجھے اجازت دیجیے، پانی رک گیا ہے، جلدی چلا جاؤں کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر بارش ہونے لگے۔

"جی!"

"احتشام میاں کیا سو گئے؟"

"جی نہیں! ہوم ورک کر رہا ہے" عجیب سی نرم اور شیریں آواز تھی، جیسے بولنے والے کے منھ سے نکلتی اور دل میں اتر جاتی تھی، کیسی سکھ و سرور اور عجیب سے جذبوں کی لہریں مچلنے لگتی تھیں دل میں، بولنے والی بھی شاید آواز ہی کی سی، بہت سے بہت سترہ اٹھارہ سال کی، آواز میں پختگی نہیں تھی، کون ہو سکتی تھی وہ؟

"اچھا تو جی سنئے!" انھوں نے کہا "میں اب چلتا ہوں، براہ کرم یہ بٹوہ احتشام میاں کو دیدیجئے گا۔ آپکی مہمان نوازی کا بہت بہت شکریہ!"

پردے کے پیچھے سے صرف ننھا سا سبک انگلیوں والا ایک ہاتھ باہر نکلا۔ انھوں نے بٹوہ ہاتھ پر رکھ کر پردہ برابر کر دیا۔

"کیا کہوں احتشام سے؟" سوال ہوا

"کچھ نہیں بس دعا کہہ دیجئے گا۔ اچھا خدا حافظ!"

"کیا آپ پھر آئیں گے؟"

"اب ادھر آنا نہیں ہو سکے گا۔"

"خدا حافظ جناب!" پردہ ساکت ہو گیا اور ہلکے ہلکے قدموں کی چاپ دور ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی

پرویز کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے کسی نے ان کے جسم کا سارا لہو کسی نے نچوڑ لیا ہو، کتنی دیر تک وہ اس دروازے کو تکتے رہے تھے جس کا ملگجا سا پھولدار پردہ وہ ادھ کھلے کواڑوں پر ساکت تھا ان ادھ کھلے کواڑوں میں انکی کتنی داستانیں پوشیدہ تھیں۔ ادھر ادھر کے کتنے محبت بھرے راز تھے جو لس پردہ رہ گئے تھے ان کواڑ دیکھے اگر زبان ہوتی تو وہ کیا کچھ نہ

کھتے، بوسیدہ سے دروازے جو محبت کے امین، اور نیک نامی کے راز دار تھے۔

پرویز کی پیشانی پر پسینہ چھلک آیا۔ اگر اس گھر کے مکینوں کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے در تک ایک درماندہ نادم اور پشیمان شخص اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی تلافی کو آیا تھا۔ تو ان کا سلوک کیا ہوتا۔ وہ ان سے بات کرنے کے بھی روادار ہوتے کہ دھتکار دیتے انھیں اپنے در دروازے سے۔

اب وہ نیم مردہ انسان کی طرح زینے طے کر رہے تھے نیچے پہونچ کر ایک نظر بھر جناتی دروازے پر ڈالی، ذیلی کھڑکی کھلی تھی، اندر وسیع وعریض کچا صحن تھا۔ جس کے ایک گوشے میں آم کا ایک بڈھا درخت اب بھی ایستادہ تھا اور اس کے گھنے پتوں میں ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی، درخت پر سرخ اور سفید پھولوں کی کاغذی بیل چھا گئی تھی اور بیل جیسے ایک تناور درخت کا سہارا نصیب تھا اس کے ہر پتے سے پانی کے موتی ٹپک رہے تھے۔

کیسا ناگوار اور دل پر اداسی کے بادل منڈھ دینے والا موسم تھا ان کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں سے ان کا پرانا دوست زندہ ہو کر ان کے سامنے آجاتا اور وہ اس سے لپٹ کے زندگی بھر کے آنسو بہا دیتے۔ لیکن وہ تو شہر خموشاں کے ایک گوشے میں کبھی نہ ٹوٹنے والی نیند سو رہا تھا۔ اس کا جسم تو خاک ہو چکا تھا صرف دل شکن یادیں باقی رہ گئی تھیں جو دل کو برما رہی تھیں اور روح پر گھاؤ لگا رہی تھیں اور آمادہ بہ گریہ کر رہی تھیں۔

بوجھل قدموں سے وہ گاڑی تک پہونچے، ساری گاڑی بھیگ چکی تھی۔ انھوں نے رومال سے اگلی سیٹ کا پانی پونچھا اور اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کردی ایکبار پیچھے مڑ کر پھر دیکھا۔ ہر کھڑکی ویران ہر دریچہ خالی اور گھومتا ہوا اور اداس تھا کوئی شوخ چہرہ کسی کھڑکی سے جھانکتا نظر نہیں آیا۔ جو شریر انداز میں ان کو چڑھاتا یا ہاتھ ہلا کر

الوداع کہتا، وہ زمانے گئے، وہ لوگ گئے کسی کو پیدا کیا کہ اس پرانی گلی میں ایک پرانا آدمی آیا تھا اور بوجھل روتا ہوا دل لئے چلا بھی گیا

راستے میں، ان کے خیالوں کی رَو دوسری طرف بہہ گئی۔

ابّا مر چکے، نجانے ان کے دل پر جدائی کے کتنے گہرے داغ لگے ہونگے

امّاں پاگل ہوگئیں، میرے غم میں، کیا میں خدا کو منہ دکھا سکوں گا کیا میں خود کو معاف کر سکوں گا کیا پچھلی کرب انگیز اور تلخ یادوں سے اپنا پیچھا چھڑا سکوں گا۔ شاید نہیں!

کہتے ہیں اگر مرنے سے پہلے ہوش اگر باقی رہے تو انسان کو اپنے اعمال ضرور یاد آتے ہیں خالق حقیقی کے دربار میں حاضری کے خیال سے روح لرزتی ہے، شرمساری، ندامت، نجانے اور جانے کون کون سے جذبے انسان پر یلغار کرتے ہیں۔

تو کیا وہ وقت میرا بھی قریب ہے جسے آخری وقت کہتے ہیں، کانپتے ہاتھ اسٹیرنگ نہ سنبھال پائے تو جیپ مست ناگن کی طرح لہرا گئی۔

اپنا آرام، دولت پرآسائش زندگی چھوڑ کے میں یہاں کیوں آیا۔ جیپ ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں رک گئی، مگر وہ دم بخود سے بیٹھے خلا میں گھورتے رہے، ہوٹل کے کمپاؤنڈ اور سڑک کا شور کہیں پس منظر میں جا سویا۔

دفعتہً اُن کے کمرے میں سرد کرنے والا لڑکا پاس سے گذرا اور بولا "آپ کے نام چار خط آئے ہیں صاحب! ہیڈ نے رکھ لئے ہیں"

"اچھا میں ابھی جا کے لے لیتا ہوں" پرویز خواب گراں سے چونکے، جیپ لے جا کے شیڈ کے نیچے کھڑی کر دی اور اوپر بڑھ گئے۔

بارش کا جلترنگ اب بھی جاری تھا۔ لیکن اس کے ترنم میں ناگوار جھنکار نہ تھی۔ بڑے روشندان کے شیڈ پر ٹین کا ایک گملا رکھا تھا۔ نجانے کس شوقین کرایہ دار نے اس گملے میں کوئی رنگ و بو کوئی کا ننھا سا پودا لگا دیا تھا۔ پودا اب کا سر گرس ہو چکا تھا۔ ٹین کے گملے پر.... پانی کے مسلسل قطرے ٹپک رہے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کا ایک شریر جھونکا بہت سی بھوار کھڑکی کے شیشوں پر دھند سی پھیلا کر گزر جاتا، ہوائیں سائیں سائیں کرتی چل رہی تھی۔

اس ہوٹل میں ساری رات شور ہوتا رہتا تھا۔ جیسے یہاں کے کرایہ داروں کو نیند آتی تھی نہ ہوٹل کے عملے کو آرام کی ضرورت تھی۔ راہداریوں میں رات بھر قدموں کی چاپ گونجا کرتی، بیرے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے، اگر اتفاق سے آدھی رات کے بعد کچھ موہوم سا سناٹا ہوتا بھی تھا تو دو ڈھائی بجے سے پھر کاروبار شروع ہو جاتا۔

رات کے آٹھ بجے بیرے نے پرویز کے کمرے پر دستک دی اور اس کے جواب دینے سے پہلے پوچھا۔

"کھانا لے آؤں صاحب؟"

"لے آؤ مگر شوربہ نہیں چاہیئے، دال پکی ہے؟"

"ہے صاحب! مصالحہ اور ادرک پڑی ہے؟"

"دال کے ساتھ دو روٹیاں لے آنا، کسی ہیوی غذا کی ضرورت نہیں ہے!"

"مرغ ـــ سرکار!"

"نہیں بھئی!"

دس منٹ بعد بیرے نے ان کے کمرے میں مطلوبہ کھانا پہونچادیا اور اس طرح ان کی شکل تکنے لگا جیسے انھوں نے مرغ و ماہی سے انکار کرکے ہوٹل کی عظمت کو ٹھیس پہونچائی ہو۔ جب وہ سر ہی پر مسلّط رہا تو انھوں نے کہا۔

"برتن میں میز پر رکھدوں گا۔ اب مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے تم جا سکتے ہو! دروازہ بند کرتے ہوئے جانا!"

"اچھا صاحب!"

بیرہ دروازہ بند کرکے چلا گیا۔ انھوں نے کھانے کے بعد برتن میز پر رکھ دئے۔ گلاس سے کٹورے میں دو انگلیاں دھوئیں اور رومال سے لب صاف کرکے کھڑکی میں آ کھڑے ہوئے ہوٹل کی اس دوسری منزل سے دور دور کی عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ انکی کھڑکیوں سے نیلی سبز اور سفید روشنی پھوٹ رہی تھی، پھوار کی چلمن کے آرپار روشنیاں یوں لرز رہی تھیں جیسے پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی ٹرین سے دیکھنے پر دور کی روشنیاں کانپتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

ایسا ہی وہ وقت بھی تھا اور شاید شام نوخیز تھی جب ــــــــ طائر تخیّل نے جب پر تولے اور کئی سال پیچھے کی طرف پرواز کرنے لگا۔ تب انھوں نے سگریٹ سلگائی۔ کھڑکی کے پٹ پورے کھول دئے اور بستر پر آلیٹے ـــ بند آنکھوں کے سامنے سے پچھلی زندگی کا ایک ایک لمحہ ٹھہر ٹھہر کے گزرنے لگا:۔

بینک سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد انصاری صاحب۔ اپنے آبائی گاؤں میں آبسے تھے گاؤں کی خاموش زندگی انھیں شروع سے پسند تھی، یہاں انھوں نے ایک آرام دہ مکان خریدلیا

اور ایک زمیندار شیخ حیات کے ساتھ مل کر زراعت میں اپنا حصہ لگا لیا تھا۔ اس کا انھیں پہلے ہی کا کچھ تجربہ تھا۔ شیخ صاحب کے باغات بھی تھے، کچھ کھیت بھی، اس میں انصاری صاحب کو معقول حصہ اور اناج اور پھل وغیرہ بھی مل جاتے تھے، ان کی زندگی بڑے آرام اور سکون سے گذر رہی تھی، افراد خاندان ہی کتنے تھے، انصاری صاحب، انکی بیوی، پرویز اور ایک بچی نزہت، پرویز کو یہ پرسکون ماحول پسند نہ تھا۔ نہ یہاں کے لوگ ہی ان کے معیار پر پورے اترتے تھے۔ جو عجیب سی پوربی اور کھڑی بولی کی کھچڑی زبان بولتے تھے، یہاں تفریح کا کوئی سامان بھی نہ تھا وہی لق و دق کھیت، میووں سے لدے درخت، ہل بیل، رہٹ کی آواز، گنوارو لباس میں ملبوس عورتیں، موٹے کپڑے کا لباس پہنے کھردرے کمبل اپنے کندھوں پر ڈالے دیہاتی مرد، ان میں سے کون ایسا تعلیم یافتہ تھا جس سے بات کر کے دماغ کے دریچے وا ہوتے، یہاں کی بولی ہی پرویز کی سمجھ سے باہر تھی، دن بھر وہ پہاڑ جیسے لمحے کاٹنے کیلئے آوارہ روح کی مانند باغوں کے گھنے جھنڈ میں پھرا کرتے، کبھی کھڑی فصل کے درمیان سے گذرتے، اور پانی بھرتی ہوئی عورتوں کا نظارہ تو بہت ہی دلکش ہوتا۔ گہرے کنوئیں کے پاس رنگ برنگی چندریوں اور لہنگوں میں ملبوس عورتیں جمع ہو جاتیں، ان کے پاؤں کے لچھے اور چھانجھ بجتے، پانی کھینچنے میں کڑوں اور چوڑیوں کا ترنم گونجتا۔ ان کی کھنکتی ہوئی ہنسی جلترنگ بن کر فضا میں نغمے بکھیرتی، پھر طرح طرح کی گگریاں اور ٹھلیاں لچکیلی کمر پر رکھے جب وہ ایک پگڈنڈی پر سے ایک قطار کی صورت میں گذرتیں تو وہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا۔ لیکن روز بروز کے یہاں نظارے بھی اپنی دلکشی کھوتے چلے گئے۔ اب وہی عورتیں انھیں بھدی بے ڈول اور بدصورت لگتیں، انکی طرف نظر کرنے کا بھی جی نہ چاہتا!

یہ صورت حال عجیب سی ہو گئی، ابھی شہر جانے اور کالج کھلنے میں بہت دن باقی تھے۔ خدا خدا کر کے ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں تو ابھی شروع ہی ہوئی تھیں۔ ان کی بیزاری بڑھ گئی تب انھوں نے

انصاری صاحب نے کہا۔

"آپ اجازت دیجیے تو میں شہر چلا جاؤں ابّا؟ یہاں میرا کام کیا ہے، شہر جاؤں گا تو کم سے کم امتحان کی تیاری تو کر سکوں گا۔"

"ہم سب تو مستقل یہاں آ گئے بیٹا!" انصاری صاحب نے جواب دیا "شہر جاؤ گے تو تم رہو گے کس کے پاس! اور پھر دو طرفہ خرچ تو فی الحال میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں پھوپی امی کے پاس رہ لوں گا۔"

"امتحان کے ختم تک۔"

"جی!"

"اور پھر جب تم تعلیم مکمل کر چکو گے۔ اس کے بعد تمہیں یہیں تو آنا ہے ساری عمر تو صابرہ آپا کے یہاں رہ نہیں سکتے۔"

انصاری صاحب کی بیوی اپنی سبزی ترکاری کی خوشنما ٹوکری لئے وہیں آ بیٹھیں اور گفتگو میں حصّہ لیتی ہوئی بولیں۔

"تمہارا مزاج تو شروع ہی سے عجیب ہے بیٹا! یہاں آنے کی خوشی خوشی تیاری کی تھی۔ اور اب یہاں سے جانے کی جلدی مچ گئی ہے۔ تمہاری پھوپی کون سی دولت مند ہیں۔ اللہ رکھے سات آٹھ بچوں اور بیوہ نندی کا خرچ کیا کم ہے۔ بچاری کو پریشان کرنا اچھا نہیں۔ بھائی کی اولاد کے ناطے کچھ کہہ نہ سکیں گی۔ مگر بدھیا بیٹھ جائے گی غریب کی۔"

"میں اپنا بار ان پر نہیں ڈالوں گا۔"

"تو کیا اپنے خرچ کیلئے مزدوری کرو گے!"

"ٹیوشن!" ہونٹ چباتے ہوئے پرویز نے کہا

"یہاں آخر مصیبت کیا ہے کہ تم شہر بھاگنے کی سوچ رہے ہو!" انصاری صاحب نے

ناخوشگوار لہجے میں کہا "تمہیں تو یہاں رہ کر میرا ہاتھ بٹانا چاہئیے۔ صبح سے رات گئے تک شیخ صاحب کے ساتھ سر کھپاتا ہوں، ایک دفعہ کا حساب دُہرا دُہرا کر دس دفعہ کرواتے ہیں۔ میرا بینک کا تجربہ میرے لئے عذاب بن گیا ہے، میں تو ان کے کام میں حصہ لے کر پچھتا رہا ہوں۔ تم اگر چاہو تو میرا کام ہلکا کر سکتے ہو، کم سے کم دو ماہ تک ہی سہی۔ میرے دماغ کو تو سکون نصیب ہوگا۔"

"اس مدت کے ختم ہونے کے بعد بھی یہی صورت حال ہو جائے گی ابا۔" پرویز نے کہا "کیونکہ مجھے پڑھنے کیلئے تو بہر حال جانا ہی پڑے گا۔"

"تب تو ضرور تنگ آ جاؤ گے۔ تفریحاً نہیں۔"

پرویز کی طبیعت بگڑنے لگی، منہ میں گویا زہر گھل گیا تھا۔

دفعتہً انصاری صاحب کی بیوی نے کہا "تم ماشاء اللہ بھرا پُرا گھر اور آرام کے ہوتے گھر سے بھاگنے کی سوچ رہے ہو، ذرا ہمسائے کے لڑکے کو بھی دیکھو، اکیلا ہے شاید بے چارہ، پتہ نہیں ماں باپ بہن بھائی سب کہاں ہیں۔ کل میں نے باہر سے آتے ہوئے دیکھا کہ دالان میں تیل کا چولہا رکھے خود ہی روٹی پکا رہا تھا۔ وہ بیزار نہیں ہوتا ہوگا۔"

"ارے وہ!" انصاری صاحب بولے "اس مکان کا مالک ہے، اسی سے تو ہم نے گھر لیا ہے۔۔۔۔۔ اپنی سرگزشت مجھے سنائی تھی بچارے نے، ماں باپ گزر چکے ہیں ایک چچا تھے وہ بھی چل بسے، اب غریب اکیلا ہے، اسی مکان کے مختصر سے کمرے کرائے پر دیدے ہیں، اسی پر گزر بسر ہے اس کی، اپنے پرویز ہی کی عمر کا ہوگا۔ مجھے تو اس یتیم پر بڑا ترس آیا، میں نے اس سے کہا تھا کہ میں کرائے میں تمہیں پچیس روپیے زیادہ دیا کروں گا۔ مگر اس نے ہنس کر جواب دیا تھا کہ چچا صاحب آپ میرے ہمسائے ہیں اور ہمسائے کا ایک دوسرے پر بڑا حق ہوتا ہے، میں آپ سے زیادہ کرایہ نہیں لوں گا۔ کیا صابر شاکر سمجھدار بچہ ہے خدائے برتر اس کی عمر دراز کرے۔

"اے بیٹے! جب ایسی بات تھی تو تم نے پہلے ہی مجھ سے کہا ہوتا" بیوی بولیں "میں دو روٹیاں صبح شام کی بچارے کیلئے ڈال دیا کرتی، کون سے ہاتھی گھوڑے لگتے، ثواب ہی ہوتا"

"تو اب بھجوا دیا کرو۔ کسی کے ساتھ نیکی کرنے کیلئے کیا استخارہ دیکھنا پڑتا ہے" انصاری صاحب نے کہا "بلکہ میں تو کہتا ہوں اسے پکا پکایا بھجوانے کی بجائے ہم اسے بھی اپنے ہی دسترخوان پر بلا لیا کریں، کیا ہمیں پڑوسی کے حقوق کا علم نہیں ہے؟"

"نام کیا ہے؟"

"نام تو میں نے نہیں پوچھا"

"کس کا نام ابا؟" نزہت جو پاس ہی بیٹھی ان سب کی باتیں سن رہی تھی، بول پڑی "افتخار بھائی کا؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" انصاری صاحب نے پوچھا

"ان کے پاس کہیں سے آکے ایک بچی بھی تو رہتی ہے، اس سے میری دوستی ہو گئی ہے اسی نے بتایا تھا کہ ان کا نام افتخار بھائی ہے، اماں وہ بہت اچھے ہیں میں جب بھی ان کے کمرے میں جاتی ہوں مجھے بسکٹ اور چاکلیٹ دیتے ہیں۔ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے، میں نے بتا دیا کہ اماں، ابا، بھائی جان اور میں ہوں، پھر میں نے بتایا کہ تیسری کلاس میں پڑھتی ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے تھے"

"اچھا بیٹی! اب تم ان کے پاس جانا تو کہنا کہ شام کے کھانے پر آپ کو ابا نے بلایا ہے" انصاری صاحب نے نزہت سے کہا۔

"جی ابا، کہدوں گی!" نزہت بولی

"ابا پھر آپ نے کہا نہیں!" پرویز نے پوری کہانی صبر و سکون سے سن کر پھر کہا۔

"کہدیا، کہیں جانے کی ضرورت نہیں، سہ پہر کی چائے کے بعد میرے ساتھ چلنا، میں شیخ صاحب

ملوادوں گا۔" انصاری صاحب بولے

خون کے گھونٹ پی کر پرویز نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کی۔ انھوں نے بھی اس لڑکے کو دیکھا تھا۔ ان ہی کی عمر کا تھا، صحت مند اور ذہین لگتا تھا۔ ہر وقت اس کے لبوں پر ایک ایسی مسکراہٹ بکھری رہتی جیسے اس کی تشکیل ہی کا ایک حصہ ہو، مسکرانے کیلئے کوشش کی ضرورت ہی نہ تھی پرویز نے اس میں رتی بھر دلچسپی نہ لی تھی، ان کے اپنے دوست کیا کم تھے، کالج میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبرو خوش مزاج اور باذوق دوست موجود تھا لہذا انھوں نے ادبری دل سے بھی نہیں سوچا کہ ہمسائے لڑکے سے راہ و رسم بڑھائی جائے اسے تو در خور اعتنا ہی نہ سمجھا تھا اور اب اس کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ تو ایسی ناگفتہ بہ تھیں کہ لڑکے کی حیثیت لو اور بھی گرا کے پیش کر رہی تھیں، یتیم و یسیر بے سروساماں جو اپنا کھانا خود پکاتا تھا اس کی بھلا حقیقت ہی کیا تھی، اس کی گذر بسر کرائے پر تھی اور پرویز بینک منیجر کا بیٹا تھا جس میں اتنی سکت اور استطاعت تو بیشک تھی کہ وہ کہیں تنہا ہو جاتا تو ایک مہینے تک تو اچھے سے اچھے ہوٹل میں کھانا کھا سکتا تھا۔

اس روز انصاری صاحب کی بیوی نے ہمسائے لڑکے انتخار کی خاطر ایک آدھ چیز زیادہ اور عمدہ پکائی تھی، سرِ شام ہی سے اہتمام شروع ہو گیا تھا کہ اُسے کہاں بٹھایا جائے گا اور کیا باتیں کی جائیں گی، آخر وہ ان کا مالک مکان تھا۔

پرویز کو یہ سارا انتظام و انصرام گراں گذر رہا تھا۔ لہذا وہ گھر سے چلے جانے کا ارادہ کر کے گھر سے باہر نکلے، اتفاقاً پاس کے کمرے کی طرف نظر اٹھ گئی، افتخار دروازہ بند کر کے جھکا ہوا بولٹ میں تالا لگا رہا تھا۔ پرویز کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بکھرا ہوا تبسم اور گہرا ہو گیا۔ سیدھے کھڑے ہو کر اس نے کنجی جیب میں ڈالی اور گذرتے گذرتے پرویز کے پاس کھڑا ہو گیا۔ پرویز کو بھی اخلاقاً رکنا پڑا۔

"گھومنے جا رہے ہیں آپ؟" افتخار نے پوچھا۔ دونوں میں پہلی ہی بار گفتگو کی نوبت آئی تھی ـــــ

"ہاں!" پرویز کے منھ سے نکلا "برگد کے درخت کے پاس کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا منظر روز دیکھتا ہوں۔"

"آپ شہر سے آئے ہیں آپ کے لئے اس منظر میں دلکشی ہے ہمارے لیے اب غروب آفتاب میں کوئی کشش نہیں رہ گئی"، افتخار نے ہنستے ہوئے کہا "بس وہ سورج ہے روز ڈوبتا ہے روز نکلتا ہے۔"

"ٹھیک ہے" پرویز نے کہا "میرے لئے تو یہاں کا طلوع آفتاب بھی بڑا حسین ہوتا ہے۔ پرسوں رات چودھویں کی رات تھی، کیسی عجیب رات تھی شفاف آسمان پر چودھویں کا چاند روشن تھا۔ گھر کے سامنے میدان میں جیسے دن نکلا ہوا تھا۔ یہاں سے وہاں تک نور کی چادر بچھی تھی۔

ایسی خوبصورت راتوں کو تو میں سوتا ہی نہیں، پچھواڑے باغ میں جا بیٹھتا ہوں چاند ہی کو تکتا رہتا ہوں"، افتخار نے کہا "عجیب بات ہے آپ سورج کو ایک پل کے لئے بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن چاند کو گھنٹوں تکتے رہیے، پلکیں تک نہیں جھپکتیں، اللہ میاں نے روشنی کے دو سرچشمے بنائے ہیں، لیکن کتنا فرق ہے دونوں میں، خیر چلئے آئیے چلیں ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں کھڑے رہیں۔ اور آپ کا انتظار کر کے آفتاب غروب ہو جائے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں" پرویز نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا۔

"میرے مزارع کی بچی بیمار ہے اسی کو دیکھنے جا رہا ہوں۔"

"مزارع؟"

"ہاں، چھوٹا سا قطعۂ زمین ہے، بٹائی پر دیدیا ہے، نئے شکر پیدا ہوتا ہے، ایک

صاحب دیکھ بھال کرتے ہیں، ان ہی کی بچی اکثر آجاتی ہے میرے پاس، تین چار دن سے نہیں آئی۔ معلوم ہوا ہے کہ اسے معیادی بخار آرہا ہے۔ دیکھنے جارہا ہوں۔ کیسی ہے؟ آپکی بہن سے تو اس کی بڑی دوستی ہے۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں بھی چلوں؟"

"شوق سے پرویز صاحب!"

"آپ کو میرا نام معلوم ہے"

"نزہت آپ ہی کی باتیں تو کرتی رہتی ہے۔"

وہ دونوں مسکرائے اور چلنے ہی والے تھے کہ دروازے سے نزہت نکلی

"کیا بات ہے؟" افتخار نے مسکرا کر اسکے گال پر ایک انگلی سے تھپکی دی

"اماں بلا رہی ہیں آپ دونوں کو" نزہت بولی "وہ کہہ رہی ہیں مرغی پکی ہے جلدی سے آکے بگھارے چاولوں کے ساتھ کھا لیجئے، ورنہ دونوں چیزیں ٹھنڈی ہو کے خراب ہو جائیں گی"

"جائیے!" افتخار نے پرویز سے کہا

"اماں نے تو آپ کو بھی بلایا ہے" پرویز نے کہا

"بھائی صاحب پہلے ہی آپ کا نمک خوار بن گیا ہوں" افتخار نے ہنستے ہوئے دعوت ٹالنی چاہی "کئی بار اماں نے میرے لئے تکلیف کی ہے اب میں انھیں زیادہ زحمت نہیں دے سکتا آپ جائیے میں بھی چلتا ہوں، پھر ملیں گے انشاءاللہ"

"نہیں نہیں" نزہت نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا "اماں تو مجھ ہی کو خفا ہوں گی۔ تاکید کر کے بھیجا تھا مجھے کہ آپ کو بھی لے آؤں، چلئے ورنہ اماں مجھے بہت خفا ہوں گی" پھر وہ پرویز کی طرف مڑی "چلئے......"

"مجبوری ہے پرویز صاحب!" افتخار نے ہنستے ہوئے کہا "ماں کا بلاوا ہے۔ ٹالا نہیں

جاسکتا۔ چلنا ہی پڑے گا۔"

دونوں نزہت کے ساتھ چلے گئے، پرویز کے والد انصاری صاحب کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے انھیں آتا دیکھا تو کمرے میں داخل ہوئے اور صحن میں منھ کر کے آواز دی۔

"میں نے کہا سنتی ہو، لڑکے آ گئے ہیں۔ کہاں ہو ادھر آؤ ذرا۔"

"آداب عرض چچا میاں۔" افتخار نے انصاری صاحب کے سامنے جھک کر کہا۔

"جیتے رہو میاں خوش رہو۔" انصاری صاحب نے جواب میں کہا "کیا وجہ ہے کہ تمہیں بچی سے بلوانا پڑا۔ کل شام میں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ آج رات کو ہمارے ہاں کھانا کھا لینا۔ کہیں جا رہے تھے کیا؟"

"کوئی ایسا ضروری کام نہیں تھا، چچا میاں، واپسی پر آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا" افتخار نے بڑے ادب سے کہا

"وہاں انصاری صاحب کی بیوی آ گئیں، رہنے والی تو تھیں شہر کی مگر وضع قطع خالص دیہاتی تھی، زرد رنگ کی موٹے ململ کی ساری باندھ رکھی تھی، کلائیاں پہ نیچا سا کرتا تھا بو رنگ چوڑیاں کلائیاں بھر بھر پہن رکھی تھیں، انگلیوں میں چاندی کے چھلے تھے اور گلے میں سہاگ کی نشانی حیدر آبادی کالی پوٹ کا موٹا ہار تھا۔ جس میں سونے کی ایک جگنی پڑی تھی، ویسے انکی صورت شکل پینتالیس سال میں بھی خاصی دل کش اور جاذب نظر تھی، آنکھوں سے نرم دلی عیاں تھی اور چہرے سے خلوص برس رہا تھا۔

افتخار نے انھیں بھی سلام کیا وہ دعائیں دیتی ہوئی بولیں:

"بیٹھو میاں! کب سے انتظار تھا تمہارا، ایسا بھی کیا کہ پاس کمرے میں رہتے ہوئے آتے جاتے نہیں، نزہت سے کئی بار کہا کہ تم کو بلا لائے، لڑکی کھیل کود میں ایسی دلوائی رہتی ہے کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں، ہاں ہاں آرام سے بیٹھ جاؤ تخت پر، تم تو مکان دار ہو ہمارے۔"

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑیں۔

"ارے یہ کیا فرما رہی ہیں آپ خالہ جان!" افتخار نے جھینپ کر کہا۔ "آپ تو میری ماں کے برابر ہیں۔ آپ کے نزدیک کیا میں پردیز کا سا نہیں ہوں! مکاندار کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کیجیے!"

"میاں: یہ کیا۔" انصاری صاحب جو اپنے جھبوڑوں میں بیٹھے اطمینان سے ان کی باتوں میں حصہ لے رہے تھے، ہلکا سا قہقہہ لگا کے بولے "مجھے اپنا چچا بنایا اور ان کو خالہ، کوئی ایک رشتہ لگاؤ!"

"یہی ٹھیک ہے چچا میاں!" افتخار بولے "آپ نے سنا ہوگا، ماں مرے موسی جیے مطلب یہ کہ خالہ بھی ماں ہی کی سی محبت کر سکتی ہے۔ اب میری ماں تو نہیں ہے۔ میں نے پرویز کی امی کو اپنی ماں کہا ہے اور میری استدعا ہے کہ آپ لوگ بھی آج ہی سے مجھے بھی اپنا بیٹا جانیے تب ہی بے تکلفی سے آپ کے پاس آجا سکتا ہوں، ورنہ مکاندار کی حیثیت سے مہینے میں صرف ایک بار آؤں گا کرایہ لینے اور بس!"

"اماں کھانا ــــ" نزہت نے کہا، رسمی باتیں ختم ہو گئیں، انصاری صاحب نے بھی اس کی تائید کی۔ اور کہا

"ہاں بھئی لے آؤ کھانا، بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔"

اپنی کلائی پر نظر دوڑاتے ہوئے افتخار نے کہا "ابھی سے؟ شام کے ابھی سات ہی تو بجے ہیں۔"

"سویرا ہے؟ رات کا کھانا کب تک کھا لیتے ہو؟" انصاری صاحب نے پوچھا

"سیر اکیا ہے جناب!" افتخار نے کہا "کھانے پینے کے اوقات ہی مقرر نہیں کبھی اگر باہر رہا تو باہر کھا لیتا ہوں اور اگر موقع ملا تو گھر دو روٹیاں ڈال لیں اور

جام یا جیلی کے ساتھ کھالیں، اپنے لئے کون اہتمام کرتا ہے۔"

تخت پر سرخ لوڈل کا دسترخوان بچھاتے ہوئے انصاری صاحب کی بیوی نے کہا " ہے ہے کیا برا لگ رہا ہے، ہمسائے کا ہمسائے پر کتنا بڑا حق ہے، میاں تمہارے ماں باپ بھائی بہن کیا اللہ نہ کرے کوئی نہیں!"

"کوئی نہیں ہے"۔ افتخار کے چہرے پر ابر سا چھا گیا " ایک چچا وہ گئے تھے سو وہ بھی چل بسے، چچی مجھے اولاد کی طرح چاہتی تھیں، خدا کی مرضی، سب کو بلا لیا اپنے پاس۔"

پرویز خاموش بیٹھے سب کی باتیں سن رہے تھے، دفعتہً انصاری صاحب اُن سے مخاطب ہو گئے " جاؤ کھانا لانے میں ماں کا ہاتھ بٹاؤ، دیکھ رہے ہو اتنی دیر میں کتنے چکر باورچی خانے کے لگا چکی ہیں۔"

پرویز مزاجاً تلخ اور خشک تھے انھوں نے سخت ناگواری سے باپ کا حکم سنا، ان کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھ کر افتخار بولے۔

"یہ زحمت آپ نے بیکار کی جناب؟" اگر میں آپ کے یہاں کھانے کا عادی ہو گیا تو پھر اپنے ہاتھ کی دال روٹی میں بالکل مزہ نہیں آئے گا۔ آج آپ نے بلا لیا میں حاضر ہو گیا لیکن آئندہ کے لئے معافی چاہتا ہوں۔"

"آئندہ کی بات آئندہ دیکھی جائے گی" انصاری صاحب بولے اور پھر دسترخوان پر نگاہ ڈالی " آؤ میاں ہاتھ دھولو"۔ انھوں نے افتخار سے کہا "معمولی سی چیزیں ہیں، ہمیں تو کھلاتے شرم لگتی ہے، بہرحال آؤ!"

افتخار کو کھاتے شرم آ رہی تھی، مگر انصاری صاحب ان کے بھی بزرگ تھے، انکار کرتے نہ بن پڑی، نزہت نے اسٹیل کے چمکدار لوٹے میں پانی بھر کے انھیں تھما دیا اور بولی " ادھر لے دیجئے

کی کیاری میں ہاتھ دھو لیجیے! "

کھانا سچ مچ نزہت کی امّی نے بہت لذیذ تیار کیا تھا۔ اصرار کر کر کے افتخار کو کھلایا تھا ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، افتخار کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مدارات کا مقصد کیا تھا۔ انصاری صاحب نے انکی ساری ذاتی باتیں پوچھیں، انھوں نے تفصیل سے بتا دیا انصاری صاحب کی بیوی افسوس ظاہر کرتی رہیں۔

"پڑھا کہاں تک ہے تم نے؟" انصاری صاحب نے پوچھا

"دو سال پہلے بی اے کر چکا ہوں جناب!" افتخار نے کہا "ملازمت کا ارادہ تھا ایک جگہ مل بھی رہی تھی مگر میرا ایک ساتھی تھا اس پر اپنی بیوہ ماں اور چھوٹی بہن کی کفالت کا بوجھ تھا میں نے کہہ سُن کر اُسے رکھوا دیا تھا۔ میرا کیا ہے، ایک اکیلا آدمی، میرے لئے گھر کے کرائے اور ٹیوشن کی آمدنا ہی بہت ہے۔ اور آپ؟" انھوں نے پرویز کی طرف دیکھ کر کہا

پرویز کو کمرے کے گھٹے ہوئے ماحول میں بیٹھنا، رسمی سی باتوں میں حصہ لینا ہی خاصا گراں گذر رہا تھا۔ نہایت ہی خشک لہجے میں جواب دیا۔

"ایم اے کا پہلا سال ہے۔"

"پہلے تعلیم برائے ملازمت ہوتی تھی" افتخار بولے "مگر آج کل تعلیم برائے تعلیم ہی رہ گئی ہے آپ کے شہر میں ملازمتوں کا کیا حال ہے، ملتی ہیں؟"

"کیوں نہیں ملتیں، اگر آپ ارباب مجاز کے ہاتھ پر بیس تیس ہزار رکھ دیجئے" پرویز نے کہا "ویسے سرکاری ملازمتیں تو رُخ کا انڈہ ہیں جن کا ملنا محال ہے، میرے لئے تو سوچنا پڑے گا کہ مجھے ایک سال بعد کیا کرنا چاہیے؟"

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ اب رات کا آغاز ہو گیا تھا جگاؤں کا ماحول جلد ہی سونا سونا ہو گیا۔ گلیاں ویران تھیں، ہر گھر کا دروازہ بند تھا۔ پرویز کا دم گھبرانے لگا جانے کے بعد ہی

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں ذرا ندی پر جاؤں گا سیر کرنے" انھوں نے کسی کو مخاطب کئے بغیر کہا "یہاں تو ہوا کا نام نہیں، دس بجے تک چلا آؤں گا"۔

"اکیلے جا کے کیا کروگے؟" انصاری صاحب نے کہا "تمہارا تو حساب ہی ٹھیک ہی نہیں۔ گھر ہی میں جی نہیں لگتا۔ کبھی شہر کو بھاگنے کو کہتے ہو، کبھی آدھی آدھی رات تک باہر سیر میں کرتے پھرتے ہو۔ یہ عادتیں اچھی نہیں، خدانخواستہ گھر میں کسی کی طبیعت اچانک خراب ہو جائے تو کیا ہوگا تم تو باہر رہو گے!"

"نہیں اماں اب تو مجھے جانے دیجئے، بہت دیر سے گھر میں بند ہوں"۔ پرویز نے جارحانہ انداز میں کہا اور مصنوعی مسکراہٹوں سے افتخار کو دیکھا۔ مصافحے کی خاطر انکی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے کہا "اچھا بھائی! چلتا ہوں" یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔

"مجھے بھی اجازت دیجئے!" افتخار نے انصاری صاحب اور انکی بیوی کی طرف دیکھ کر بڑے اخلاق اور ادب سے جھک کر کہا "آپ کی محبت اور شفقت کا شکریہ ادا کرنا بے ادبی ہے، مگر مجھے آج اپنے ماں، باپ، بھائی بہن کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا لطف آگیا۔ بہت اچھا لگا مجھے!"

"میاں تکلف کیا ہے، اگر تم دال روٹی یہیں آکے کھا لیا کرو" بیوی نے کہا "مجھے تو بڑا برا لگتا ہے اور یہ تو گناہ بھی ہے کہ میرے بچے کے برابر ہمسائے کا بچہ اپنے ہاتھ سے روٹی بھتو پے اور میرے بچے پکی پکائی کھائیں، تم روز آجایا کرو بیٹے!"

"میں ضرور آجاتا۔ مگر شاید کل یا پرسوں میری چچی کی دو بھانجیاں یہاں آنے والی ہیں ان کے ساتھ شاید میری ممانی بھی ہونگی۔ کچھ دنوں تو کھانے پینے کی آسانی ہو جائے گی ویسے وہ نہ آئیں تو پھر آپ ہی کے پاس آجاؤں گا"

"اچھا بیٹے اچھا:" انصاری صاحب بولے "خدا تم کو سلامت رکھے، بہت دل خوش ہوا ہے تم سے مل کے:"

"میاں کب تک اکیلے رہو گے!" بیوی بولیں "اللہ رکھے اب کیا عمر ہے تمہاری۔

"جی خالہ جان! چوبیس سال کا تو ضرور ہوں، بائیس سال کی عمر میں بی اے کیا تھا پہلے ہی کر چکتا مگر دو سال یوں ہی گزر گئے، عجیب سے دن تھے وہ بھی۔ میں بہت پریشان تھا ان دنوں!"

"کل ناشتے پر تو آ ہی جانا" بیوی بولیں۔

مجبوراً افتخار نے جواب دیا "بہت اچھا آجاؤں گا۔"

انصاری صاحب کے دوست شیخ صاحب سے ملنے اور ان سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد پرویز کا موڈ اور زیادہ چوپٹ ہوگیا، شیخ صاحب پکّے حسابی آدمی تھے انھوں نے اپنے دماغ کا گودا پرویز کے دماغ میں منتقل کر دیا، حساب سمجھاتے رہے، کاروبار کے رموز ونکات سمجھاتے رہے اور تفصیل سے بتایا کہ انھیں کیا کیا کرنا ہے۔ پرویز کے سے موڈی، زود رنج اور انتہا پسند آدمی کے لئے یہ سب کچھ تپ دق کے مترادف تھا۔۔ وہ ان کا داڑھی دار چہرہ گھورتے اور غصّہ ضبط کرتے کرتے سر ہلاتے رہے، ایک نکتہ نہ سمجھا۔ پھر شیخ صاحب نے زرد رنگ کے سر میں درد پیدا کر دینے والے کاغذات کا ایک بنڈل پرویز کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"ایک جدول اور دو گوشوارے تیار کرنا ہیں۔ سمجھ گئے، مجھ سے بھول چوک ہو جاتی ہے، اس عمر میں دماغ ایک جگہ نہیں رہتا، سمجھ گئے، اب تم سے بڑی مدد ملے گی، کتنے دن یہاں رہو گے۔ سمجھ گئے"۔

"جی بہت کچھ سمجھ گیا بہت سے بہت پندرہ دن اور یہاں رہوں گا۔" پرویز نے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے نا شیخ صاحب! کہ یہ شہر میں پڑھتا ہے۔" انصاری صاحب بولے "بس ایک سال کی مصیبت اور ہے، پھر یہ مستقلاً یہاں چلا آئے گا تو آپ کا کاروبار سنبھال لے گا۔ کچھ اسے بھی تو تجربہ ہونا چاہیئے۔"

"اور کیا؟" شیخ صاحب نے جواب دیا "دو طرفہ مدد بھائی صاحب!" وہ جب فراغت سے ہنسے تو پرویز کے آگ لگ گئی "انھیں تجربہ ہو جائے، مجھے کام سے نجات ہو جائے" پرویز نے یہ کہتے کہتے زبان روک لی کہ وہ سب کچھ سمجھ گئے تھے، یہ بعد کو معلوم ہوا کہ "سمجھ گئے" شیخ صاحب کا تکیہ کلام تھا۔ پھر جب اچھی طرح دماغ سوزی کے بعد انھوں نے پرویز کو جانے کی اجازت دی تو پرویز اس طرح وہاں سے بھاگے کہ قفس کا در کھلا دیکھ کر کوئی عرصہ دراز کا قیدی پرندہ بھی اس طرح نہیں اڑتا۔

اپنے درد سر اور موڈ کی درستگی کیلئے وہ گھنٹہ بھر اپنی پسندیدہ ندی کے گھاٹ پر جا کر بیٹھ گئے، دن کے دس بجے تھے، مگر یہاں کی ویرانی، سنسانی اور سناٹا عجیب تھا۔ دور اور نزدیک کسی متنفس کا پتہ نہ تھا۔ کنارے پر کچھ سبز اور کچھ خشک گھاس ہوا دن میں بوڑھوں کے سر کی طرح مسلسل متحرک تھی، تازہ گھاس کی مہک فضا میں رچی بسی عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ ندی کا پانی کراروں پر سے آہستہ روی سے بہہ رہا تھا اس کے بہنے سے مدھم آواز میں ایک لطیف نغمگی پنہاں تھی، ندی کے دوسرے کنارے پر املی کے بہت گھنے درخت ایستادہ تھے، ان کا سایہ نہایت ٹھنڈا اور آرام دہ تھا۔ گھاٹ پر بیٹھے بیٹھے لہریں گنتے رہنے کے بعد پرویز تھک جاتے تو سائے میں آ لیٹتے اور غنودگی کے عالم میں خوابوں کی سرزمین میں پہونچ جاتے۔

بوسیدہ اور بیمار کر دینے والے کاغذات کا غلیظ مٹھا اجڑتیں رکھے وہ دیر سے سائے میں لیٹے تھے، کہیں جی لگنے کا سامان نہ تھا۔ بے حد اداس اور بیزار کن دن گزر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد گھاٹ کے پاس والی مختصر سی مسجد سے موذن صاحب کی مری ہوئی آواز میں اذان دینے کی صدا گونجی۔

پرویز دل پر جبر کر کے اٹھے، سر سے گھاس کے تنکے جھاڑے اور کچھ منٹوں تک اذان کے احترام میں سر جھکائے بیٹھے رہے، تبھی کلائی پر نظر پڑی، سوا نج رہا تھا، اور گھر جانا ضروری تھا۔ لہٰذا وہ بے دلی سے اُٹھے۔ لباس برابر کیا، کاغذات کا پلندہ اٹھا کے اپنی سائیکل سنبھال لی۔ آج تو روز سے زیادہ ہی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ بعض دفعہ تو جی چاہتا کہ ندی کی سب لہروں میں رل مل کے بہہ جائیں زندگی کتنی گراں بار تھی۔ بے رنگ سی، بے جان اور خشک۔

سنسان سارا راستہ طے کر کے گھر پہنچے، سائیکل سٹینڈ کے نیچے کھڑی کر کے مختصر سے صحن میں قدم رکھا تھا کہ خلاف معمول اور خلاف توقع نسوانی سریلے قہقہوں کا جلترنگ سنائی دیا۔

کون آیا تھا ان کے گھر، یہاں تو ان کا کوئی عزیز بھی نہ تھا جو اپنی لڑکیوں کے ساتھ ان کے گھر آ سکتا۔

"نزہت!" انھوں نے صحن میں کھڑے کھڑے اسے آواز دی،

نزہت بھاگتی ہوئی آئی، اس کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ ہاتھ میں برفی کا لڈو پکڑے تھی، ان کے پاس آئی اور منھ اٹھا کر انکی طرف تکنے لگی۔

"کون آیا ہے؟" انھوں نے پوچھا "آواز دبا لی۔

"اپنے گھر کوئی بھی نہیں آیا،"

"دا ابھی کوئی کمرے میں ہنس رہا تھا"

"وہ تو افتخار بھائی کی بہنیں ہیں، تھوڑی دیر ہوئی ان کے یہاں آئی تھیں، وہ انھیں اماں سے ملانے لائے ہیں"

"کہاں ہیں؟"

"اماں کے کمرے میں!"

"میں کدھر سے جاؤں؟ وہ دونوں پردہ کرتی ہیں کیا؟"

"کرتی ہونگی، بھائی جان۔ میں کیا جانوں؟"

"اچھا تم ادھر صحن کا بڑا پردہ برابر کر دو۔ میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں۔"

"میرا ہاتھ اتنا اوپر کہاں جاتا ہے۔"

پرویز پر جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی۔ ابھی تک تو اقتدار ہی کی خاطر مدارات ہوا کرتی تھی انکی بہنوں کی بھی آمد رفت شروع ہو گئی، اب دیکھیے اماں ابا کے دُلار کیا رنگ دکھاتے ہیں، انھوں نے جھنجھلاہٹ میں نہ پردہ برابر کیا نہ آواز دی۔ ایکدم سے صحن عبور کر کے چھوٹے سے برآمدے میں نکلے، بس جیسے اسی آن اسی گھڑی قسمت کی اَنمٹ لکیروں میں چند لکیروں کا اضافہ کر دیا۔

اُن کے بھاری قدموں کی بھاری آہٹیں سن کر جتنے لوگ برآمدے میں تھے سب مُڑ کے دیکھنے لگے، امّاں نے جلدی سے کہا۔

"ارے میاں! پردہ ہے یہاں، نزہت نے بتایا نہیں؟"

"پردہ!" یہ لفظ پرویز کے لبوں پر سرسرایا۔

دو لڑکیاں امّاں کے پاس بیٹھی تھیں۔ ان کا سامنا ہوا۔ ایک لڑکی نیلے لباس میں لپٹی گلابی دوپٹے اوڑھے کرسی پر بیٹھی تھی، اس نے ایک نظر ان پر ڈالی اور اپنا چہرہ پھیر لیا، دوسری لڑکی کرسی چھوڑ کے اس طرح پلنگ پر آ کے بیٹھ گئی کہ اس کی پشت پرویز کی طرف ہو گئی اور اس کی اس محتاط حرکت نے پرویز کے دل پر بہت دیرپا اور گہرا اثر ڈالا ——————،

اس نے گردن تک کپاسی رنگ کا ہلکا پھلکا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور سفید کلی سے لباس میں وہ جوہی کی ایسی کلی لگ رہی تھی جیسے پھول بننے میں دیر نہ ہوئی تھی۔ ایک

معمولی سی نظر نے پرویز کے دل میں طوفان سا جگا دیا۔

ان کے خاندان میں بھی بہت سی رشتے دار لڑکیاں تھیں۔ چنانچہ تو یہ سے اماں نے پرویز کا نام بھی جوڑ رکھا تھا۔ انکی چھوٹی نند کی بیٹی تھی۔ اور اماں کی معلومات کی حد تک وہ بہت سلیقہ مند، گرہست، بے زبان اور قبول صورت لڑکی تھی، پرویز نے بھی اماں کی مرضی پر صاد کر دیا تھا۔ لیکن اب اس سفید لباس والی حور کو دیکھ کر رشتے دار بہنیں بیچاری کہیں بیزاری کی دھند میں کھو گئیں، ایسا دلکش اور مسحور کن حسن پرویز نے پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکی کیا تھی چاند کی مجسم کرن، صبح کا تارہ، بہار کا پہلا پھول تھی۔ اس سے بس یوں ہی سی نظر ملی تھی، لیکن ایک عجیب سی سنسنی پرویز کے بدن میں پڑ گئی۔ دل دھڑکنے لگا! حسن اور اس کا اثر ایسا ظالم ____ پرویز نے خود کو سنبھالا اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ ایک بار اور اس حسین چہرے کی دید کی آرزو نے انھیں بے چین کر دیا۔ مگر وہ اس رخ پر بیٹھی تھی کہ اسے دیکھنے کیلئے اماں کے کمرے میں ان کے عین سامنے آنا پڑتا دل پر جبر کئے وہ کرسی پر بیٹھے رہے کہ اتنے میں نزہت کمرے میں آئی۔

"اماں پوچھ رہی ہیں، کہاں تھے، کھانا کب کھائیے گا؟"

"اماں کو معلوم نہیں ہیں! آپ کے دوست سے ملنے گیا تھا اور اب ہاتھ منھ دھولوں تو کھانا بھی کھاؤں گا۔ کوئی خاص چیز پکی ہے کیا؟"

"بھائی جان!" وہ ہنس دی "آپ کو ہمیشہ خاص چیز کی فکر لگی رہتی ہے بھلا روز روز کیا خاص چیز پکے گی؟"

"پھر کیا ہے کھانے میں؟"

"ارہر کی دال، چاول، اچار اور پاپڑ۔ بس"

"واہ بھئی! یہ بھی کوئی کھانے میں کھانا ہوا ____"

"کیوں آخر ہم سب بھی تو یہی کھائیں گے۔"

"بھئی میں نے سوچا کہ تمہارے گھر مہمان آئے ہیں، شاید مرغ پلاؤ پکا ہو"

"مہمان! ارے ہاں" نزہت نے چونک کر کہا "مگر وہ مہمان کب ہیں، افتخار بھائی کی بہنیں ہیں، ان کے لئے مرغ پلاؤ کیا پکتا۔ وہ تو خود ہی کھوئے کی ٹکیاں ہم سب کیلئے لائی ہیں، اتنی اچھی ہیں دونوں، مجھے تو کرنے کا بہار دار کپڑا دیا تھا اور مزیدار بسکٹوں کا ایک ڈبہ بھی دیا تھا، ایک بات اور بتاؤں" وہ بیحد خوش ہو رہی تھی۔

"بتاؤ بھئی! آج تو تم نے باتوں کا انبار لگا دیا۔ کمائی بھی اتنی بہت کرلی" پرویز نے آنکھیں نکالیں "بتاؤ اب نئی بات:"

نزہت اس کی ہئیت کذائی پر ہنسنے لگی۔ پھر بولی "صبح کو جب افتخار بھائی جویریہ باجی اور بینش باجی کو یہاں پہونچانے آئے تھے، تب میرے لئے خوب صورت سی ایک سونے کی زنجیر لائے تھے اس میں چاند تارے کا ایسا اچھا جگنو پڑا ہے۔"

"تم نے تو یہ بتایا نہیں کون سی باجی کس نام کی ہیں۔"

"وہ جو سفید کپڑے پہنے ہیں وہ بینش باجی ہیں اور جنھوں نے نیلے کپڑے پہن رکھے ہیں وہ ——"

بینش۔ ایک اجنبی سا نام پرویز کے دل میں کھنچ کے رہ گیا —— نام بھی نام والی ہی کا سا مسحور کن ہے۔

"تم سے اچھی اچھی باتیں کیں دونوں نے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ دونوں میں سے اچھی کون ہے؟"

"واہ بھائی جان! دونوں ہی اتنی اچھی ہیں۔ اچھا اب آپ کے لیے میں کھانا لے آؤں؟"

"کیوں کیا میں تم سب کے ساتھ کھانا نہ کھاؤں؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"آپ سے پردہ کرتی ہیں دونوں" بزرگی کی انداز میں نزہت بولی "میں آپ کا کھانا یہیں لئے آتی ہوں۔"

"نزہت!" اندر سے اماں نے آواز دی "بڑی عاجز ہوں اس لڑکی سے جہاں جاتی ہے بس باتیں بنانے بیٹھ جاتی ہے۔ ارے میں نے کہا نزہت آئے گی یہاں کہ نہیں!"

وہ بھاگنے ہی لگی تھی کہ پرویز نے اس کی بانہہ تھام لی "ٹھہرو، سنو جاکے اماں سے کہنا کہ ابھی کھانا نہ نکالیں۔ میں بازار سے کچھ لئے آتا ہوں، مہمانوں کو ارہر کی دال کھلانا تو بڑی ویسی بات ہے۔"

"اچھا بھائی جان!"

"جاؤ اماں سے کہو کہ پردہ کرا دیں۔ میں باہر جاتا ہوں۔"

پندرہ منٹ بعد پرویز کباب، بھنا ہوا قیمہ، انڈوں کے کوفتے اور شاہی ٹکڑے لئے ہوئے آئے تو بےحد مسرور تھے۔ انھوں نے نزہت کے ہاتھ سے سب چیزیں اندر بھجوا دیں اور خود گنگناتے ہوئے غسل خانے میں گھس گئے، نہا کے نکلے تو معلوم ہوا کہ افتخار بھی آ گئے تھے، پرویز کو اب یک لخت افتخار سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ شاید افتخار ہی وہ ذریعہ تھے جس سے بینش تک پہونچا جا سکتا تھا۔

اس دوپہر کے کھانے پر دونوں پرانے دوستوں کی طرح بےتکلفی سے باتیں کر رہے تھے، پرویز کا دل خواہ مخواہ قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا۔ افتخار تو یوں بھی بےحد خوش مزاج

ہنس مکھ، سادہ دل اور مخلص تھے، پرویز کی بے تکلفی اور یگانگت نے افتخار کو بھی بیحد مسرور کر رکھا تھا۔

باتوں باتوں میں افتخار نے کہا "اماّں کی محبت کا میں شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن اب میں انھیں زحمت نہیں دوں گا۔ تبسّم اور جویریہ یہاں آگئی ہیں، ان کے ساتھ ہی میرے ایک دور کے رشتے دار مراد صاحب بھی آئے ہیں، اُن کی بیٹیاں نجمہ آپا اور ننھی بچی چاندنی بھی ہیں، اب آرام سے کھانے پینے کا سامان ہو جائے گا۔"

انجان بن کر پرویز نے پوچھا، "تو کیا اب یہ سارے لوگ یہیں رہ جائیں گے، چلو اچھا ہے، تمہاری تنہائی بھی دور ہو گئی۔"

"مراد چچا کو ایک بڑا مرض ہے" افتخار نے جواب دیا "ہڈیوں کے کینسر میں مبتلا ہیں، ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ہے، زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، میں انھیں یہاں لے آیا ہوں، نجمہ آپا بیوہ ہیں، پچھلے سال جو ٹرک پل پر سے طوفانی دریا میں گر پڑا تھا۔ اور کئی لوگ ہلاک ہو گئے تھے ان ہی میں یوسف بھائی بھی تھے نجمہ آپا کو سسرال والوں نے باپ کے گھر بھیج دیا۔ ننھی سی چاندنی پر بھی انھیں ترس نہ آیا۔ حالانکہ ان ہی کا خون ہے یوسف بھائی شوگر مل میں منیجر تھے ان کی پنشن سات سو کے قریب نجمہ آپا کو ملتی ہے اسی میں گذر بسر کر لیتی ہیں۔ بچاری ماں بیٹی۔"

"مراد صاحب ہی کی بیٹیاں ہیں تبسّم اور جویریہ بھی"، بھولپن سے پرویز نے پوچھا

"نہیں نہیں"، افتخار نے جواب دیا، "مراد چچا کی ایک بیوہ بیٹی بس نجمہ آپا ہی ہیں یہ تبسّم اور جویریہ تو میری چچی اماّں کی بہن کی بیٹیاں ہیں، عجیب اتفاق ہے پرویز! ان کے والدین بھی نہیں ہیں۔ ابھی تک اپنی ایک دور کی ممانی کے یہاں رہتی تھیں اب وہ اپنے شوہر کے ساتھ حج کرنے چلی گئی ہیں، وہیں سے مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے

نکل جائیں گی۔ ان کے قیام کا بڑا مسئلہ آن پڑا تھا۔ میں نے چچی امّاں کی بہن سے کہا کہ میرا اتنا بڑا گھر خالی پڑا ہے، مراد چچا آ ہی رہے ہیں۔ نجمہ آپا بھی ساتھ ہیں ان دونوں کو آپ میرے یہاں بھجوا دیجئے وہ راضی ہو گئیں۔

"تو ان کا قیام تو یہاں بہت طویل ہو گا۔"

"یہ تو ہے، مگر میں ذرا سا خوفزدہ ہوں بھائی۔!"

"کیوں، کیوں؟"

"ارے نوجوان لڑکیوں کا معاملہ ہے" افتخار نے آواز دبائی "بڑی ذمہ داری کا کام ہے، خدانخواستہ کوئی بات ایسی ہو جائے کہ ــــ بس خدا ہم سب پر رحم کرے۔"

"ارے تو کیا ان کے مستقبل کے بھی ذمہ دار تم ہی ہو؟" پرویز نے گویا بڑے خلوص سے پوچھا

"میں خود بن گیا ہوں، بنایا کسی نے نہیں،" افتخار نے کہا "کیا کروں میں بڑا بیوقوف آدمی ہوں۔ کسی کی پریشانی کا خیال کرتا ہوں تو لگتا ہے وہ میری ذاتی پریشانی ہے بس اس کی مدد کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔"

"یہ تو بڑی نیکی ہے،" پرویز نے کہا "آج کل کون کس کیلئے ایسا ایثار کرتا ہے۔ تم تو سچ مچ بہت مخلص اور نیک دل ہو،"

"ارے دن بھر نیکی ضرور کرتا ہوں،" ہنس کر افتخار نے جواب دیا "مگر دل سے یہ سمجھتا ہوں کہ یہ نیکی کا زمانہ نہیں ہے، پہلے بھی نہیں تھا۔ نیکی کر دریا میں ڈال، یوں ہی تو محاورہ وجود میں نہیں آ گیا ہو گا۔"

"ذمہ داری تو واقعی بہت نازک ہے بھائی!"، افتخار کا بوجھ ہلکا کرنے کی نیت سے پرویز نے کہا "مگر فکر مت کرو میں بھی اچھے لڑکوں کی تلاش میں رہوں گا۔ تمہاری پریشانی کیا میری پریشانی نہیں ہے، شہر میں میرے کئی دوست ہیں۔ ان سے ذکر کرینگے۔"

"شکریہ بھائی! تمہاری ذات سے بڑی ہمت ہے" افتخار نے کہا، انھوں نے پرویز کی آنکھوں میں چھپی ہوس اور نفسانیت کی چمک نہیں دیکھی، رہ رہ کے ان کا شکریہ ادا کرتے رہے کہ اس زمانے میں ایسا مخلص دوست کا ملنا مشکل ہے۔"

اندر سے اب بھی سریلے قہقہوں اور نازک آوازوں کا جلترنگ پرویز کے کانوں تک پہونچ رہا تھا اور ان کے بے مہار خیالوں کو مہمیز کر رہا تھا۔ بینش کی دل فریب شکل نظر کے سامنے سے ہٹتی نہ تھی، اور خیالوں میں محبت کا گلستاں کھل رہا تھا اک نیا نیا جہان آرزو تعمیر ہو رہا تھا۔ ارمانوں کی ایک بستی سی تصورات میں بس گئی تھی۔ افتخار اپنی نرم آواز میں کچھ کہہ رہے تھے، مگر پرویز اسی فکر میں غلطاں تھے کہ بینش سے ملنے کی کون سی راہ ہو سکتی تھی۔ اور کیا وہ ان کے محسوسات کی پذیرائی بھی کرے گی۔

افتخار جلد ہی مراد صاحب اور نجمہ کے قیام کیلئے کمروں کا بندوبست کرتے چلے گئے اوپری منزل پر عرصے سے تین چار کمرے ایک بڑا برآمدہ اور باس والی انیکسی خالی پڑی تھی اسی انیکسی سے ملا ہوا ایک بڑا سا حصہ بھی افتادہ پڑا تھا۔ نیچے پرلی طرف کے صحن سے ایک سنگی زینہ انیکسی سے جا ملا تھا۔ اُدھر سے کسی کی آمدورفت نہ تھی، زینہ بیکار تھا۔ مگر افتخار نے ایک لڑکے کو اسی کام پر لگا دیا کہ وہ کمرے صاف کر دے اور زینے کے پتھر وغیرہ ہٹا کے جالے جھنکاڑ صاف کر دے، زینوں پر ایک بڑا نیم کا درخت اس طرح چھا گیا تھا کہ زینوں پر گھنا ٹھنڈا سایہ ہو گیا تھا ایک موٹی سی شاخ زینوں پر سے گذرتی ہوئی دوسری طرف کی اونچی دیوار پر ٹک گئی تھی، گویا زینوں پر شاخ سے اترنے اور وہاں سے کمرے میں چلے جانے کا آسان راستہ بن گیا تھا۔

پرویز کے ذمہ انصاری صاحب نے ایک اہم کام لگا دیا تھا۔ شیخ صاحب کے کاغذات پڑے اپنی جان کو رو رہے تھے، مگر پرویز نے آنکھ اٹھا کر بھی انکی طرف نہ دیکھا

باپ کے پوچھنے پر صاف جواب دیتے ہوئے بولے۔

"مجھ سے یہ منیجری کا کام نہیں ہو سکتا ہے ابا! ان کاغذات پر لکھے باریک باریک گوشواروں کو دیکھ کر میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے آپ یہ سارا گورکھ دھندہ بس شیخ صاحب کو واپس کر دیجئے! میں ان کا حساب کتاب نہیں کر سکتا"

"میں جواب تک کرتا رہا میرے سر میں تو درد نہیں ہوا" ــــ انصاری صاحب بگڑ کے زور سے بولے۔

"آپ کو بھی یہ بیگار ٹالنے کی ضرورت نہیں ہے ابا! آپ شیخ صاحب کے حصہ دار ہیں ملازم نہیں ہیں۔ کیوں کرتے ہیں آپ یہ غیر ضروری محنت۔"

"اگر اس طرح مجھے ایک معقول رقم فاضل مل جاتی ہے تو اس میں کیا نقصان ہے"

"تو پھر آپ ہی کیجئے یہ کام میں نہیں کر سکتا۔" پرویز نے کہا اور بڑی گستاخی سے بلندہ لا کے انصاری صاحب کے سامنے ڈال دیا۔

انصاری صاحب جلدی خفا ہو کے جلدی من جانے والے آدمی تھے، شکست خوردہ لہجے میں بولے "میاں مجھے وعدہ خلاف بناؤ گے تم، میں نے تو ان سے کہہ دیا تھا کہ میرا لڑکا میرا ہاتھ بٹایا کرے گا۔ اب کیا کہوں گا اُن سے؟"

پرویز ناگوار انداز میں خاموش رہے۔

افتخار نے پچھواڑے سے آواز دی "پرویز آرہے ہو تم؟"

"ابھی آیا!" پرویز نے آواز بڑھا کر کہا اور باپ کی طرف دیکھے بغیر چلے گئے۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ اس سے، جو جواب پر جواب دیتا چلا گیا"۔ بیوی نے پاس آکر پوچھا۔ ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔

"عجیب رنگ ہیں صاحبزادے کے" انصاری صاحب بولے "میری ہنسی ہو

چکی ہے۔ قلیل رقم میں گزارہ نہیں ہو سکتا، بٹائی کی آمدنی میں نزہت کیلئے جمع کرنا ہے
میں سوچ رہا تھا کہ اگر شیخ صاحب مجھے آٹھ سو ماہانہ دینے لگیں گے تو آسانی ہو جائے گی۔
زیادہ کام کی اجرت بھی زیادہ ہوتی ہے، مجھ اکیلے آدمی سے لکھائی پڑھائی کا کام آسانی سے
نہیں ہوتا۔ دن بھر یہ بدبخت جنگلوں میں پھرا کرتا ہے، کیا فائدہ ہے اس سے اگر شیخ صاحب
کا کام کر دیتا تو میرا بوجھ ہلکا ہوتا، مگر نہیں۔ کاغذات میرے منھ پر مار دئے اور چلا گیا ہے
مزدوری کرنے، لعنت ہے۔"

"اس کا جی ہی نہیں لگتا یہاں، مارے باندھے تو رُکا ہوا ہے۔"

"ارے ہفتہ بھر ہی کچھ کر لیتا، میں کب کہتا ہوں کہ ساری عمر اسی دھندے کا ہو کر
رہ جائے،" انصاری صاحب نے کہا اور جبراً اُدھر آ کاغذات خود لے کے بیٹھ گئے۔

کمرے سے نکل کے پرویز نے مسرور کن سانس لی۔ افتخار مزدور لڑکے کو ہدایتیں دے رہے
تھے کہ اسے کیا کرنا ہے، پرویز کو دیکھ کر مسکرائے، انھوں نے بے حد اپنائیت سے کہا۔

"تم مزارع کی بچی کی خیریت دریافت کرنے جا نہ سکے تھے، اب اطمینان سے جاؤ!
میں تو پڑا پڑا بور ہوتا ہوں۔ لڑکے کے ساتھ مل کر تمہارے حسب منشا سب کچھ ٹھیک ٹھاک
کروا لوں گا۔"

"خاک کھاؤ گے مفت میں" افتخار نے کہا "مدتوں سے کمرے بند پڑے ہیں۔ منوں
گرد ہو گی وہاں۔۔!"

"تو کیا۔" پرویز بولے "بعد کو کنویں پر جا کے نہا لوں گا۔"

"شکریہ بھائی!" افتخار نے کہا "بس میں چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو
پہلے ہی بڑے دکھ اٹھا چکی ہیں۔ یہاں آرام سے رہ سکیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے آرام ہی سے رہیں گی۔ کیا ان کا قیام یہاں مستقل ہوگا؟"

"ہاں! اور کیا۔ اب ان کا ٹھکانا ہی کہاں ہے ان کے مستقبل کا بھی سامان مجھ ہی کو کرنا ہوگا۔"

"یار! ان میں سے ایک کو تمہیں کیوں نہ اپنا لو۔" پرویز نے مشورہ دیا

"کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اچھا نہیں پرویز! معلوم نہیں انکی مرضی اور پسند کیا ہے، وہ مجھے اپنے دائمی ساتھی کے روپ میں.... نہ پسند کرتی ہوں تو؟"

"دال میں کچھ کالا تو نہیں ہے؟"

"ارے نہیں!" افتخار کے چہرے پر معنی خیز سرخی چھا گئی، پرویز کو اس سرخی سے تھوڑی سی اذیت ہوئی، خبر کیا کہ افتخار کی مرکز نظر کون ہے بنیش یا جویریہ۔ انکے دل میں ننھا سا شعلہ لپکا، لیکن پھر خیالات کا رخ مڑ گیا ابھی لڑکیوں کو یہاں آئے دیر کتنی ہوئی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ بنیش کے دل میں اپنی محبت کی چنگاری سلگا سکیں، وہ خوبرو تھے، صاحب حیثیت تھے بنیش کو ایک ساتھی ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ کبھی کبھی محبت ہوتی نہیں ہے کرائی جاتی ہے۔

افتخار پرویز کا شکریہ ادا کر کے چلے گئے

اور اب پھر پرویز کی خوش مزاجی طبیعت کی رنگینی اور خیالات کی حوصلہ افزا.... دلکشی عود کر آئی، اِدھر اُدھر کے قدرتی مناظر اپنا اثر جتانے لگے، اب ہرے بھرے کھیت، سرسبز باغات، رنگ برنگ پھول، چمکتا ہوا آسمان، گنگناتی ندی سر پر سے گزرتے ہوئے چہچہاتے ہوئے اجنبی سے پرندے سب مسحور کن اور دلکش معلوم ہونے لگے ان کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ بکھری اور مزدور لڑکے کے کندھے پر ایک ہاتھ رسید کر کے وہ اس کے ساتھ اوپر بڑھ گئے۔

افتخار کی حویلی پر ہمیشہ ایک عجیب سی ویرانی اور نحوست چھائی رہتی تھی، پرویز اس لق و دق مکان کو حویلی ہی سے تعبیر کرتے تھے اور اس پر مسلط اداسی کی وجہ سے پرویز کا دل گھر میں نہیں لگتا تھا لیکن اب جبکہ حویلی کے بیشتر کمرے آباد ہو چکے تھے، یہی حویلی مسرتوں کا مرکز اور دل جمعی کا سر چشمہ بن گئی تھی۔

افتخار تو انصاری صاحب کے مختصر سے کنبے کے ایک پسندیدہ فرد بن ہی چکے تھے ان کے توسط سے انکی بہنیں بھی انصاری صاحب کی بیوی کی چہیتی بھانجیاں بن چکی تھیں دونوں لڑکیاں ہنستی اور جویریہ تھیں بھی بہت من موہنی سی، سلیقہ مند، سگھڑ، تمیز دار محبت کرنے والی انھوں نے بے کہے سُنے انصاری صاحب کے گھر کا سارا کارخانہ سنبھال لیا تھا، ان کا قیام بس سو رہنے کی حد تک اپنے کمرے میں تھا، باقی سارا دن وہ انہی کے گھر میں گذارتیں، افتخار کا کھانا پینا تو یہیں تھا انھوں نے اپنی اور سب کی خاطر چھ ماہ کی جنس انصاری صاحب کے گھر بھروا دی تھی، ہزار انھوں نے نہیں نہیں کی مگر افتخار نے سنجیدگی سے کہا تھا

"چچا میاں! آپ کی محبت کا میں دل سے قائل ہوں لیکن میری شکر گذاری اور سعادتمندی کا بھی تو کوئی تقاضا ہے، میں کیسے گوارہ کر سکتا ہوں کہ آپ پنشن یافتہ ہونے کے باوجود محنت کر کے روٹی روزی کا بندوبست کریں اور میں بیٹھے بیٹھے کھاؤں۔ آپ سے میری گذارش ہے کہ آپ شیخ صاحب کے یہاں کام چھوڑ دیں۔ صرف پانچ سو روپے کی خاطر آپ رات گئے تک کمزور

دوپٹنی میں بیٹھے لکھا کرتے ہیں اسطرح تو آپ کی صحت پر ناگوار اثر پڑے گا۔ آپ اب آرام کریں آپ کا گھر میاں اور پرویز مل کر چلائیں گے، دو دو بیٹے رکھ کر آپ کا محنت کرنا برا لگتا ہے۔"

"میرے سامنے بیٹی ہے میاں! آج چھوٹی ہے کل کندھے کے برابر آجائے گی۔ اس کیلئے کبھی تو جوڑنا ہے" سیدھے سادے بزرگ نے ایک کمزور سا استدلال پیش کیا

"تو کیا ہوا؟" افتخار نے کہا "خدا اس کا بھی ہے کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر ہی دے گا آپ ابھی سے کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟"

"تمہاری باتوں سے بڑی تسلی ہوتی ہے افتخار بیٹے!" انصاری صاحب بولے "کاش تمہاری سی سمجھ بوجھ پرویز میں بھی ہوتی۔"

"ان میں بھی ہے چچا میاں!" افتخار نے کہا "بس وہ ذرا جذباتی اور تفریح پسند آدمی ہیں، آپ انکی طرف سے بھی پریشان مت ہوجیے، کیا بہن کا خیال انھیں خود بھی نہیں ہوگا۔"

"اب دیکھو کہ شہر بھاگنے کو تیار ہے!"

"وہ تو ضرور جائیں گے چچا میاں! کیونکہ ان کا ایم اے کا ایک سال ابھی باقی ہے۔" اور اسطرح افتخار کے سارے عزیز انصاری صاحب کے کنبے کے افراد بن گئے ان میں کوئی غیریت یا تکلف نہ رہا تھا۔

اب تو مراد صاحب اور انصاری صاحب میں بھی بڑی دوستی ہو گئی تھی انصاری صاحب کی بیوی طاہرہ بیگم بھی اُن میں آ بیٹھتیں، انھیں نجمہ سے بہت ہمدردی تھی، نوعمر بیوہ تھی مشکل سے پچیس برس کی عمر ہو گی، تین سال کی ننھی سی بچی تھی، بوڑھے غم نصیب اور بیمار باپ کی پنشن پر گذارہ ہو رہا تھا۔ نجمہ کے چہرے پر ہمہ گیر اداسی اور افسردگی منجمد ہو کر رہ گئی تھی، ان کا ہنسنے بولنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا اگر ان کے سامنے بچی نہ ہوتی

توشاید وہ زندہ رہنا بھی پسند نہ کرتیں، سسرال والوں نے نہایت ناگفتہ بہ باتیں سنا کر انھیں گھر سے نکال دیا تھا اس کا غم انھیں کھائے جا رہا تھا۔ دن بھر ایک جگہ گم صم بیٹھی رہتیں، اپنے غموں پر ستزاد باپ کی مہلک بیماری کی دہشت تھی، ایک فکر تھی کہ اگر مراد صاحب چل بسے تو ان کی گزر بسر کا ذریعہ کیا ہوگا۔ ان کے پاس زیور نام کا ایک چاندی کا تار تک نہ تھا۔ نہ کوئی قیمتی سامان ہی تھا اور سامنے بچی کی زندگی کا سوال تھا لیکن روزی کے ذریعے کا فقدان، یہاں محنت مزدوری یا سلائی کڑھائی کا بھی امکان نہ تھا۔ گاؤں کی عورتیں اپنے ہاتھ سے گز بڑ سے کپڑے تیار کر کے پہن لیتی تھیں، انھیں فیشن زدہ ملبوسات سے غرض کیا تھی، انھیں تو بس تن ڈھانکنا تھا۔ مردوں کا لباس موٹا کرتا اور تہبند پر مشتمل تھا، نجمہ سلائی کی ماہر تھیں مگر یہاں سلائی کی مہارت بیکار تھی وہ اپنے غموں سمیت طاہرہ بیگم کے پاس آ بیٹھتیں۔

طاہرہ بیگم انھیں سمجھاتیں "سب کا اللہ آسرا ہے، تم گھبراتی کیوں ہو، تم کو اور ننھی سارہ کو پیدا کر کے خدا بھول تو نہ جائے گا۔ اسی سے مدد مانگو اور اپنے دل کو سنبھالو، اس طرح تو بیمار ہو جاؤ گی! میں تو کہتی ہوں کہ ہر بچے کیلئے ماں بے حد ضروری ہے، خود کو اس طرح ضائع نہ کرو، کیا حشر ہوگا تین سال کی ننھی جان کا اگر اللہ نہ کرے تمہارا ایک رونگٹا بھی دکھے گا۔"

"جی ہی نہیں چاہتا بھابی!" نجمہ انصاری صاحب کو اپنا بڑا بھائی بنا کر طاہرہ بیگم کو بھابی کہنے لگی تھیں، کیا کیا یاد آتا ہے جیسے اچھا زمانہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ آنکھ کھلی تو دکھوں کی کڑی دھوپ تھی۔ میرا تو ابا کے سوا کوئی نہیں۔ انھیں بڑا برا مرض ہے ڈاکٹر کو خدا غارت کرے ابا کے منھ پر کہہ دیا کہ آپ بس جب تک ہیں، بس ہیں، آپ کا مرض علاج کی حد سے گزر چکا ہے۔ وہ بھی میرے غم میں آدھے ہو گئے۔ ابا کو کچھ ہو گیا

تو کیا ہو گا میرا ؟"

"نجمہ اللہ پر بھروسہ رکھو، تم نے دیکھا ہو گا۔ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور اسی وقت ماں مر جاتی ہے تو کیا وہ بچہ پل نہیں جاتا" طاہرہ بیگم نے تسلی دی "تم تو بہت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے، بس حوصلہ رکھو، کسی کے دن یکساں نہیں رہتے، دن بدلتے ضرور ہیں۔"

ان ہی کا حال مراد صاحب کا بھی تھا۔ انصاری صاحب کے پاس بیٹھ کے رو تا روتے رہتے تھے، دھان پان آدمی تھے، ہڈیوں کا ڈھانچہ جو ایک ایک حرکت پر ٹوٹتا رہتا تھا، ذرا دیر بیٹھ کے اٹھے اور ایک ہڈی چٹ سے ٹوٹ گئی، وضو کر کے زمین پر پاؤں رکھا اور چٹ سے آواز آئی، ان کے جسم میں ٹوٹی ہڈیوں کا انبار تھا۔

"بھائی! اللہ کو ایسی ہی کچھ بہتری منظور تھی کہ اختیار یہاں لے آئے، اب میں سکون سے مر سکوں گا۔ اطمینان رہے گا کہ نجمہ بدنصیب کے سر پر آپ موجود ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ سامان اس لئے ہوا کہ نجمہ بے سہارا نہ رہے۔ غریب کے سامنے ننھی سی بچی ہے، غریب یتیم ہے کلیجہ پھٹتا ہے جب معصوم سی بچی پر نظر کرتا ہوں"

"میں تو کہتا ہوں مراد بھائی! کسی بھلے مانس کو دیکھ کر اس کے ہاتھ میں نجمہ کا ہاتھ دیدیجئے، ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے، بھلا اس عمر میں یا ــــ"

"تیس اکتیس سال" مراد صاحب نے بات کاٹ کر لقمہ دیا۔

"آج کل تو تعلیم کے چکر میں لڑکیوں کی اتنی عمر یں گھر بیٹھے ہو جاتی ہیں" انصاری صاحب بولے "آپ نے کوشش ہی نہ کی، ورنہ یہیں ایسے لوگ مل جاتے، نجمہ کو ایک سہارا نصیب ہو جاتا۔ آپ کو بھی سکون ہو جاتا اور بچی کے مستقبل کا بھی اندیشہ نہ ہوتا۔

"ایک دفعہ میرے ایک ملنے والے نے نجمہ کے سلسلے میں مجھ سے درخواست کی تھی،

وہ صاحب چاندنی کو اپنانے پر بھی آمادہ تھے۔ ان کے اپنے دو لڑکے تھے، بیوی گذر چکی تھیں میں نے نجمہ سے مذکرہ کیا تھا کہ وہ صاحب معقول آدمی ہیں ذاتی گھر ہے۔ ایک دکان ہے، گذر بسر کا اچھا ذریعہ ہے اگر تم راضی ہو جاؤ تو میں ان صاحب کو ایک جواب دے دوں، ارے جعفر بھائی! اس نے تو رو رو کے جل تھل کر دئیے کہ ابا میں اور سائرہ آپ پر بھار ہو گئے ہیں، ہمیں کسی کنوئیں میں جھونک دیجئے لیکن دوسرے نکاح کی بات نہ کیجئے۔ بس کیا کرتا۔ خاموش ہو گیا۔ اس کا آنسو بہانا بھی تو برداشت نہیں ہوتا۔"

"بس تو پھر خداوند کریم کی مرضی اور مہربانی پر نظر کریں،" انصاری صاحب بولے "اپنے لاچار اور مجبور بندوں کیلئے وہ جو کرتا ہے بہتر اور بھلا کرتا ہے۔"

اب گھر میں عمروں کے حساب سے حد بندی ہو گئی تھی، انصاری صاحب اور مراد صاحب کا معاملہ الگ تھا وہ سب سے الگ تھلگ مردانے میں رہتے تھے۔

اندرونی ٹھنڈے کمرے میں جو نسبتاً بڑا تھا اور صاف ستھرا لپا پُتا تھا اور کھڑکیوں پر خس کی چلمنیں پڑی تھیں طاہرہ بیگم اور نجمہ کی بیٹھک تھی۔ دونوں دوپہر بھر وہیں رہتی تھیں کھاتی پیتی اور آرام کرتی تھیں۔

بینش اور پرویز اوپر کمرے میں تھیں، ان کا دس بجے تک باورچی خانہ ختم ہو جاتا اور آخری دفعہ مردانے میں چائے پہنچا کر دونوں اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔

نزہت اور سارہ اور مزارع کی بچی سکینہ دن بھر گھر سے دور نیم کے گھنے سائے میں بیٹھی کھیلا کرتیں، دنیا و ما فیہا سے بے خبر، اپنی معصوم دنیا میں گم۔

افتخار کو اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی تھی، وہ بھی ناشتے کے بعد گھر سے چلے جاتے اور اکثر بعد مغرب واپس آتے،

اس طرح پرویز جو پہلے ہی مردم بیزار، تنہائی پسند اور محتاط تھے انھیں اپنی ننھی سی

آرزو کو سینچ کر اسے کونپل اور پھر پودا اور اس کے بعد تناور درخت میں تبدیل کرنے کا سنہرا سا موقع ہاتھ آگیا۔

ان کا کمرہ بھی افتخار کے کمرے سے ملا ہوا تھا ادھر سے ہی گزر کر انیکسی میں جانا پڑتا اور برآمدہ عبور کرنے کے بعد وہ بڑا کمرہ تھا جس میں ساتھی اور جویریہ تھیں۔

پرویز اس طرح برآمدے میں آ کھڑے ہوتے گویا انھیں لڑکیوں کے وہاں مقیم ہونے کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔

جویریہ کو ایک دن شک ہوا پھر اس نے ایک دن بینش سے کہا

"میں تو سمجھتی ہوں، جان بوجھ کے یہ مرد وا یہاں ہوا خوری کو آتا ہے ورنہ کیا ہوا کھاتے کیلئے سامنے کا میدان اور نیم کا سایہ کچھ کم ہے۔"

"ایسے لوگوں سے مجھے اتنی نفرت معلوم ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ لڑکیوں کو گھورنے والی آنکھوں کو گرم سلاخ سے داغ دوں، معلوم نہیں افتخار بھائی نے ایسے آدمی سے دوستی کیوں کی ہے وہ تو فرشتہ سیر آدمی ہیں، کبھی ہم سے بے تکا مذاق نہیں کیا۔ کبھی بری نظر نہیں ڈالی اور ان موصوف کو دیکھو ہمارے دروازے سے نگاہ ہٹتی ہی نہیں۔"

"ایسی نفرت بھی نہ کرو" جویریہ ہنس کر بولی "میں تو سمجھتی ہوں کہ انھوں نے تمہارا جلوہ دیکھ لیا ہے بس ہوش حواس سے گزر گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ ہوش کیسے ٹھکانے کیے جاتے ہیں۔"

"ارے بینی!" جویریہ سہم کر بولی "تم سچ مچ بڑی تیز ہو، کہیں کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر دینا۔ تم نہیں جانتیں، لڑکوں کی بے راہ روی کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ لڑکیوں کے نام سب رکھتے ہیں۔ انجان بنی رہو، ان حضرت کا رویہ تو دیکھیں ذرا۔"

"بے وقوف بنائیں!" بینش ہنس کر بولی

"ایسا نہ ہو کہ کہیں خود ہی بیوقوف بن جائیں" جویریہ بولی "وہ آدمی مجھے بڑا خطرناک لگتا ہے کہیں حوصلہ پا کر کچھ ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔"

"ہنگامہ کھڑا کر دے گا تو افتخار بھائی سے شکایت کر دیں گے اور کیا؟"

"کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"موصوف ادھر دیکھیں گے تو مسکراؤں گی" بینش بولی

"نہیں بیبی! نہیں ایسا کرنا تمہیں معلوم نہیں، لڑکیوں کی ایک مسکراہٹ بڑے بڑے فتنے کھڑے کر دیتی ہے" جویریہ نے کہا

"مجھے تو بڑا غصہ آتا ہے جب میں کسی کو اپنی طرف گھورتے دیکھتی ہوں"

"تم ہو ہی اتنی حسین، مرد تو مرد، عورتیں بھی تم کو دیکھ کے مبہوت ہو جاتی ہیں، صحرا میں کھلا ہوا پھول ہو تم، سب یہی چاہتے ہیں کہ تم ان کا گھر مہکاؤ، قصور تمہارا ہے، اتنی خوبصورت کیوں ہو، خطا ان پرویز صاحب کی نہیں ہے۔"

"اچھا بس، مجھے بنانے کو ایک تم ہی رہ گئی ہو؟" بینش برا سا منہ بنا کر بولی

دفعتہً جویریہ نے بینش کے بازو میں چٹکی لی اور بولی "ادھر دیکھو، ہوا زوروں پر ہے نا؟ پرویز صاحب کھانے آ رہے ہیں۔"

"کیا کھانے؟"

"ہوا ــــ"

بینش ہنس پڑی، دونوں ادھر متوجہ ہو گئیں پرویز زیر لب گنگنا رہے تھے اور مزے میں زینے چڑھ رہے تھے، لڑکیاں دلچسپی سے انھیں دیکھنے لگیں، سفید پاجامے اور خوش رنگ نیلے کرتے میں وہ خوبرو اور پرکشش لگ رہے تھے، اونچا پورا قد و قامت تھا، چوڑے کندھے مضبوط گندمی ہاتھ پاؤں، مجموعی طور پر ان کا تاثر عمدہ تھا۔ ایسے دلکش مردانگی نظر سے کم گذرے تھے

جویریہ کچھ گم صم تھی اور بینش بھی اس طرح پرویز کو دیکھ رہی تھی، جیسے مسحور ہو گئی ہو۔
پرویز کے ہاتھ میں کوئی انگریزی ناول تھا، مطالعے کی غرض سے وہ اونچے زینے پر بیٹھ گئے
اور ناول کھول لیا۔

کمرے سے کھسر پھسر کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔
پرویز کی نظریں کتاب پر تھیں اور کان آوازوں پر۔ سارا بدن کان بن گیا تھا۔
"کہیں اور جگہ نہ ملی پڑھنے کو۔"

"ہائے تمہیں نہیں معلوم، تازہ ہوا صحت کیلئے کتنی مفید ہوتی ہے!"
"تو کیا تازہ ہوا صرف اسی جگہ نصیب ہوتی ہے؟"
"اکثر خوبصورت لوگ اپنے حسن کی نمائش کرنے کیلئے مجمع کے سامنے آجاتے ہیں۔"

"یہاں کہاں ہے مجمع؟"
"ہم لوگ خیر سے کیا مجمع نہیں ہیں!"
"ارے حسن شناس نظروں کی بھی تو ضرورت ہے:"
"ہاں سنا تو یہی ہے کہ حسن دیکھنے والوں کی نظر میں ہوتا ہے۔"
"مجھے تو ایک بھینس بھی حسین ہی معلوم ہوتی ہے"
"بڑی حسن پرست معلوم ہوتی ہو تم بھی!"
"اے لو! فرشتوں کو اللہ میاں نے حکم دیدیا کہ پنکھا ہلانا بند کریں، غور سے دیکھو نیم کی ایک
ٹہنی تک نہیں ہل رہی ہے۔"
"مگر پڑھنے والوں کو ہوا پانی سے کیا سروکار؟"
"اے بہن! ایسے بقراط سقراط اور افلاطون بھی کہیں نہیں دیکھے، جنہیں آس پاس کا کوئی
ہوش حواس ہی نہ ہو۔"

"چپ رہو، مطالعے میں خلل نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ ڈارون کی کوئی کڑی سلجھنے سے رہ جائے اور مُوا بندر بندر ہی رہے، انسان نہ بن سکے، لہٰذا اب خاموش ہو جاؤ۔"

پرویز کو کبھی غصہ آتا کبھی ہنسی آتی، مگر اتنا تو پتہ چل گیا کہ لڑکیاں خاصی تعلیم یافتہ اور ذہین تھیں ورنہ بقراط سقراط افلاطون اور ڈارون کے نام انکی زبان پر نہ آتے۔

جب آوازیں خاموش ہو گئیں تو پرویز نے بے اختیار کہا:

"محترمہ! مجھے آس پاس کا ہوش تو اس قدر ہے کہ میرے ہوش گم ہوئے جا رہے ہیں، صرف یہ احساس باقی ہے کہ میرے کانوں میں امرت اور شہد کی بوندیں ٹپک رہی ہیں، صحت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ارے آپ دونوں چپ کیوں ہو گئیں، بڑے جاندار تبصرے تھے، مزید فرمائیے، ہاں! یہ کہنا تو میں بھولا ہی جا رہا تھا کہ میرے حسن کی تعریف کا بہت بہت شکریہ!"

جویریہ نے سرخ ہو کر بینش کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"دیکھا چھیڑنے کا نتیجہ! انکی زبان کا ٹانکا ٹوٹ گیا۔"

بینش نے برا سا منھ بنا کر اونچی آواز میں کہا "ذرا بتائیے تو کہ آپ سارا گھر چھوڑ کے ہمارے ہی کمرے کے سامنے آکے کیوں بیٹھ گئے ہیں؟"

"صرف ایک امید پر!" پرویز نے سرشار ہو کر کہا انھیں یقین تھا کہ وہ آواز جواں سے مخاطب تھی بینش ہی کی تھی۔

"کہہ دیجئے!"

"شاید آپ کے حسن کا جلوہ شعلہ ریز دیکھنے کو مل جائے، شاید روح پرور آواز حسن کے جلوؤں کا خون بڑھ جائے، شاید غریب کی محبت کی تپش بارگاہ حسن میں ــــــــ"

شریلے قہقہے گونج اٹھے "بس بس!" دوسری آواز آئی "معلوم ہو گیا کہ آپ دوسرے سرسید ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ ہم دور تک پڑھے نہیں ہیں اتنی دقیق بولی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی، سیدھی

سادی زبان میں مکالمے ارشاد فرمایئے تو شاید کچھ پلے بھی پڑے۔

"میں تو بولنا ہی بھول گیا ہوں" پرویز نے کہا

"کیوں بولتی آپکی کیوں بند ہو گئی؟"

"گمان کہاں تھا صاحب کہ مجھ ناچیز پر نظر کرم بھی ہو سکتی ہے اس جسم التفات کے صدقے کہ فقیر کو ایک نگاہ میں شاہ کر دیا" پرویز بولے۔

"لیکن ایک مشکل آن پڑی ہے جناب؟"

"ضرور ظاہر کیجئے ہم سے اگر ہو سکا تو ہم ضرور حل کریں گے"

"مطلب یہ کہ ادھر حسن کا پرستار صرف ایک ہے اور ادھر شمع حسن دو عدد فروزاں ہیں"

"منہ دیکھو، بھئے جناب ادھر ایک آدھی شمع بھی ہوتی تو پروانے کو طواف کی اجازت نہ ملتی" یہ آواز ہنیش کی تھی، آواز میں قدرے نفرت کی آمیزش تھی مگر پرویز کو ہوش ہی کہاں تھا کہ وہ نفرت و حقارت یا محبت کے جذبوں میں فرق محسوس کر سکتے، وہ تو یوں ہی رشتہ خطمی ہو رہے تھے کہ کم سے کم مذاق ہی کے انداز میں سہی ہنیش ان سے مخاطب تو ہوئی تھی۔

دفعتہً نجمہ نے صحن سے جویریہ کو آواز دی۔

"جوہی! چاول دیر کے بھیگے ہیں، آکے بیس لو، کھیر دوپہر کے کھانے تک تیار ہو جائے!"

"اچھا آپا ابھی آئی" جویریہ بولی اور ہنیش کے کان میں پھسپھسائی "میں جا رہی ہوں تم اکیلی ہو، زیادہ باتیں نہ کرو۔ ایسے دل پھینکوں کو زیادہ منہ لگانا اچھا نہیں، وہی بات ہوتی ہے کہ یہ لوگ انگلی پکڑنے کے بعد کلائی پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں"

"فکر مت کرو مجھے اس آدمی سے نفرت ہے" ہنیش بولی "موقع ہی میں کہاں دونگی کہ انگلی پکڑ سکے! تم جاؤ میں بھی تمہارے پیچھے ہی آ رہی ہوں"

جویریہ نے اُسے شبہ کی نظر سے دیکھا جیسے ہنیش کے لہجے میں قوت نہ تھا پھر ایک لمبی سی سانس

لے کر کمرے سے چلی گئی، ننگے پتھریلے فرش پر اس کی سلیپروں کی آواز دور تک گونجی تھی۔ اور انکی سرگوشی بھی خاصی تیز تھی، پرویز نے سب کچھ سن لیا انھیں جب یقین ہو گیا کہ جریزہ کمرے سے جا چکی ہے تب بولے۔

"محترمہ آپ ابھی کمرے سے چلی گئیں کہ موجود ہیں؟"

"تھوڑی دیر بعد ناموجود ہو جاؤں گی۔"

"آپ ہی کا نام بلقیس ہے؟"

"جی! آپ کو میرا نام کیسا لگا؟"

"بہترین، نغمہ بار، شیریں ترین۔"

"معلوم کیسے ہوا؟"

"میرے اپنے جاسوس کے ذریعے۔"

"تو کیا آپ نے اپنے جاسوس میرے پیچھے لگا رکھے ہیں، آپ کیا خفیہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں؟"

"جی بالکل نہیں! لیکن بعض دفعہ مجبوری آگے پڑ جاتی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی جاسوسی کرنی پڑ جاتی ہے۔"

"لیکن براہ کرم اب اس حد سے آگے نہ بڑھیے گا۔"

"کیوں؟"

"کیا مطلب کیوں؟"

"محترمہ! آپ کو پتہ نہیں کہ آپکے ہوش ربا حسن نے میرے دل کا کیا حال کیا ہے میں یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں، اچھی بری سینکڑوں تصویریں نظروں سے گذرتی ہیں مگر سچ ہے آپ کا چہرہ دیکھنے کے بعد اللہ کی صنعت کامل کا قائل ہونا پڑتا ہے آپ کو قدرت نے دہ

حُسن دیا ہے کہ جو کسی کے ہوش و حواس پر بجلی بن کے گر سکتا ہے کسی کو دیوانہ بنا سکتا ہے، کسی کو پاگل کر سکتا ہے، چنانچہ یہی حال میرا ہوا ہے آپ کا حسین چہرہ نظروں سے ہٹتا ہی نہیں ہے کہہ نہیں سکتا کہ دل کی کیا کیفیت ہے، بس جی چاہتا ہے کہ آپ کو سامنے بٹھاؤں اور آپ کی پرستش کرتا رہوں، ہنبش میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ نے میرے جذبوں کی پذیرائی نہ کی تو میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا اور اپنے جنون میں جانے کیا کر گزروں گا۔ معاف کیجیے گا کہ میں نے اتنی بے تکلّفی سے آپ کا نام لے لیا ہے۔ آپ نے بُرا تو نہیں مانا؟"

مگر جواب ندارد، پرویز نے دو منٹ تک خوشگوار یا ناگوار جواب کا بڑی بے تابی کے ساتھ انتظار کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب ان کا دل دھڑکا، ان کی بے تکلّفی کا بُرا تو نہیں مان گئی۔ اب کیا ہوگا۔ اگر کسی سے کہہ دے گی، پہلی ہی ملاقات میں اتنی باتیں مجھے نہیں کرنی تھیں، وہ کتاب ہاتھ سے رکھ کر چپکے سے اٹھے۔ کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی، پھر کانپتے ہوئے قدموں سے زینے طے کیے، برآمدے میں پہونچے، ایک دفعہ سر گھما کر بڑی گہری نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا، دور و نزدیک سناٹا طاری تھا اور سڑک پر سے گذرنے والی گاڑیوں کا شور بے شک تھا، ویسے برآمدہ، کمرے انیکسی سب سنسان تھی۔

اچھی طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد کہ انھیں کوئی دیکھ نہیں رہا تھا وہ چند قدم اور آگے بڑھا۔ حُسن کی کشش تیز ہوئی، عشق کے دیوتا نے مہمیز لگائی اور پرویز نے بڑھ کے کمرے کا پردہ سرکایا۔ ان کا دل ڈوب سا گیا کیونکہ کمرہ خالی تھا نہ جویریہ تھی نہ ہنبش، کمرہ بڑا سا اور خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ انتخاب نے اپنے کمرے میں رکھی ہوئی سنگار میز کو لڑکیوں کے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ طاہرہ بیگم نے اپنے جہیز کی بھاری بھرکم مسہری بھی بھجوا دی تھی اس پر نجریدی پھول بنا بیڈ سیٹ بچھا تھا۔ سرہانے دو تکیے اور پائینتی زرد اور گلابی فردیں تہہ کی ہوئی رکھی تھیں۔ سنگھار میز پر نیل کی شیشی، ٹوتھ پیسٹ کریم ٹیوب اور اعلیٰ

درجے کے عطر کی خوشنما شیشیاں رکھی تھیں، ایک پرس میں عمدہ نائیلوں کے کنگھے پوشیدہ تھے، مسہری کے پاس ایک چوبی الماری تھی، لمبی چوڑی اور بالکل نئی اس کے پاس دو گارڈن چیئر پڑی تھیں ایک عدد بڑا سا ریک دیوار میں آویزاں تھا جس پر چند کتابیں سجی تھیں، پرویز نے بڑی حیرت سے اس ساز و سامان کو دیکھا۔ انکی معلومات کے مطابق یہ لڑکیاں مفلس اور بے سر و سامان تھیں، ان کے گذارے کا کوئی بندوبست نہ تھا دو وقت کی روٹی مشکل تھی تب یہ اعلیٰ درجے کا سامان آرائش یہ سب کہاں سے آیا تھا۔ انھوں نے کمرے میں قدم رکھا۔ کتابوں کے نام پڑھے، نجانے کس کی کتابیں تھیں مگر مطالعہ پسند شخصیت کا ادبی ذوق بہت اعلیٰ تھا کیونکہ ریک میں بڑے مصنفین کی کتابیں تھیں اور اردو پڑھنے والوں کے خاص کر گھریلو خواتین اور لڑکیوں کے ذوق پر پوری اترتی تھیں، پرویز نے اردو کے مشہور مترجم مظہر الحق علوی کا ترجمہ عالم گم گشتہ اٹھا کر کھولا۔ اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ گر پڑا۔ پرویز نے اسے کتاب کے اندر نہیں رکھا۔ کاغذ کی تہہ کھولی کسی القاب اور آداب کے بغیر لکھا تھا۔

"پھوپھو جان: اب کسی کی موت و حیات پر تو کسی کا اختیار نہیں جانے والوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کبھی کبھی تو آنے والوں کو بھی روکنا مشکل ہو جاتا ہے انسان کے لئے اللہ میاں نے غم کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور صبر نامی بھی بنا دی ہے، لہٰذا میرا مشورہ مانو تو صبر کرو۔ میں نے اوپر کے چاروں کمرے غسل خانے باورچی خانے اور برآمدوں کی جالی کی مرمت کروا دی ہے، جلدی ہی آ کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، تیار رہنا آپا بھی ساتھ ہی آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ زمانہ چاہے جتنا ترقی پسند ہو جائے لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو ہرگز رہنے نہ دیگا

ان پر ایک پہریدار کا ہونا ضروری ہے، چچا کو سلام کہو، ہیں مزے میں ہوں
منّو کے ذریعے دو سو روپے بھجوائے تھے، ملے ہونگے، تمہارا یہ خیال صحیح
نہیں ہے کہ میں کچھ حساب پوچھوں گا، میں تو تمہیں بے حساب دینا چاہتا ہوں۔
جان بھی مال بھی، لیکن تمہارا دامن ہی فی الحال تنگ معلوم ہوتا ہے، کاش تم میرے
جذبوں کی پذیرائی کر سکتیں! ۔

تمہارا افتخار ۔۔۔"

پرویز نے خط کتاب میں رکھ دیا اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ افتخار نے خط کس کے نام
لکھا ہے، کہیں تبسّم کو تو نہیں لکھا ہے، اس خیال کے ساتھ ہی اس کا چاند سا چہرہ تصوّر میں
جگمگانے لگا اور دل کی دھڑکنیں بکھر بے ترتیب ہونے لگیں ان کے لبوں پر محبت پاش مسکراہٹ اُبھری
انھوں نے اتھرائیہ انداز میں سوچا خارزار حیات بہت وسیع ہے۔ ابھی تعلیم ادھوری ہے اس کے
بعد روزگار کا سوال ہمالیہ بن کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور یہ عرصہ طویل عرصہ غیر یقینی ہے۔ بھلا کون
راضی ہوگا کہ بے روزگار لڑکے کے ہاتھ میں ایک لڑکی کا ہاتھ دیدیا جائے، آج کل ضروریات
زندگی دوزخ ہیں، ہر آن ھَل مِن مّزید کا نعرہ لگاتی رہتی ہیں، کہاں سے بھرا جا سکتا ہے
اس کا غار نما پیٹ، ماں باپ تو خیر بھلائی کی بات ہی سوچتے ہیں وہ کیوں راضی ہوں گے
جبکہ شادی شدہ زندگی کا خیال کرتے ہی ان کا کلیجہ بھی منھ کو آتا ہے، صرف شادی شدہ ہو
جانے پر اگر مصیبت رک جاتی تو ایک بات بھی تھی مگر یہاں تو جنجال بچوں کا بھی تھا اگر نشان کے
ہاتھی کے طور پر ایک صاحبزادے یا صاحبزادی تشریف لے آئے تو پھر ان کے پیچھے پورا قافلہ آجاتا
ہے، نہیں بھئی فی الحال رومان ہی پر نتیجہ کرنا پڑے گا ایک لمبے سفر کیلئے لمبا زادِ سفر بھی تو چاہئیے
اور زادِ سفر محبت کی پرورش کرنے میں مضمر ہے۔

پرویز کتاب ہاتھ میں لئے اوٹ پٹانگ خیالوں کے بھنور میں چکرا رہے تھے اطمینان سے
ہی نہیں ہو سکا کہ چوتریہ پردہ ذرا سا ہٹائے انھیں گھورے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تو

غصہ تھا مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی، ایک پسندیدہ مسکراہٹ۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر پھیل رہی تھیں، کبھی سیاہ و دراز خمیدہ پلکوں سے الجھتیں، کبھی لبوں کو چومتیں، کبھی قد و قامت ناپتیں، اور پھر انھیں خوبرو اور پرکشش مرد کا خطاب دیکر پھر سے اپنا سفر شروع کر دیتیں۔ غصہ تو اسے اس بات پر تھا کہ انھوں نے لڑکیوں کے خاص ذاتی کمرے میں آنے کی جسارت کیسے کی تھی وہ ابھی نگرانی ہی کرتی رہ جاتی کہ دفعتہً بینش نے آواز دے لی۔

"کیوں کھڑی ہو بت بنی ہوئی۔ کیا کوئی تماشا ہو رہا ہے کمرے کے اندر؟"

پرویز نے آواز سن لی لیکن کمرے سے بھاگے نہیں، اطمینان سے کتاب اس کی جگہ پر رکھی اور ٹہلنے کے انداز سے کمرے سے نکل گئے۔

دونوں اندر آئیں، جویریہ کے دل میں چاہت کا ننھا سا دیا جگ مگ کرنے لگا تھا اس کا مدھم اجالا اس کے چہرے پر لو دینے لگا اب پرویز کی چوری پر اُسے ہنسی آ رہی تھی غصہ نہیں۔

"موصوف ابھی اس کمرے میں تھے۔" جویریہ بولی "افتخار بھائی نے جو خط تم کو لکھا تھا وہ ہی تمہاری اجازت کے بغیر پڑھ رہے تھے۔"

"سچی!" بینش کی کالی کالی متوالی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "کیا سوچا ہوگا۔ مگر یہ کتنی بری قابل نفرت حرکت ہے۔ تعلیم یافتہ اور مہذب اس طرح کسی کا خط نہیں پڑھتے، بڑے تو بہ آدمی بڑا بدتمیز اور دلیر معلوم ہوتا ہے میں چچا سے شکایت کروں گی۔"

"بات کا بتنگڑ نہ بناؤ بینی!" جویریہ بولی "بچا تو آپ ہی اپنے دُکھ بھگت رہے ہیں۔ وہ بچارے کیا کر سکیں گے؟"

"تو میں انصاری چچا سے کہوں گی کہ صاحبزادے کو قابو میں رکھیں!"

"یہ پہلی دفعہ ہے اس بار معاف کر دو، آئندہ اگر ایسی ہی حرکت کریں تو افتخار بھائی سے کہہ دینا۔ انصاری صاحب یا مراد چچا سے کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"میں حیران ہوں، آخر پرویز صاحب نے کمرے میں گھسنے اور میرا خط پڑھنے کی ہمت ہی کیسے کی، قسم سے، مجھے بہت غصّہ آرہا ہے، کچھ کہے بغیر نہ رہوں گی۔ ارے! افتخار بھائی تک ہمارے پاس آتے ہیں تو آواز دیکر آتے ہیں۔ یوں ہی نہیں گھس آتے۔"

"ایک بات کہوں؟" جویریہ نے مسکرا کر پوچھا

"دس باتیں کہو، میرا دماغ گرم ہورہا ہے، کیا سوچا ہوگا غیر مرد نے کہ مجھے کسی آدمی نے خط لکھا ہے، میری عزت آبرو پر داغ لگنے کی بات ہے کہ نہیں؟"

"نہیں! مجھے شبہ ہے کہ پرویز صاحب پر تمہارے حسن کا شدید اثر ہوگیا ہے، تم ہو ہی ایسی چیز یاد انھیں زمیندار صاحب کے بھانجے صاحب کس طرح تم پر لٹو ہو گئے تھے، اگر تم وہاں سے بمبئی چل نہ دیتیں تو شاید لے اڑے ہوتے تمہیں؟"

"میں موم کی ناک نہیں ہوں جویریہ!"

"کچھ بھی کہو یہ حضرت تم پر فریفتہ ہو چکے ہیں یکھ رکھو میری بات!"

"ان کی ایسی تیسی، مجھے تو اس شخص کی صورت سے بھی نفرت ہے۔"

"کیوں بھئی، ایسی اچھی صورت ہے، میں سمجھتی ہوں گاؤں بھر میں ان کا سا خوب رو اور خوبصورت دوسرا آدمی نہیں ہے،" جویریہ بولی "مجھے تو وہ بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"تو پھر ہاتھ جوڑوں تمہارے! متوجہ کرلو انھیں اپنی طرف" بینش نے بہت ہی ناخوشگوار لہجے میں کہا: "میں ایک منگنی کی ہونے کے بعد کسی اور کا ذکر سننے کیلئے تیار نہیں"

"محبت کا نازک مسئلہ یہ ہے کہ یہ آگ اگر لگے تو دونوں طرف لگے، فی الحال تو ایک ہی طرف لگی ہے، دوسری طرف کا مجھے پتہ نہیں" جویریہ ہنس کر بولی "اب استدعا کرنی پڑیگی کہ ادھر بھی لگ جائے۔"

"اچھا تو عام اصطلاح میں تم نے فالتو دل ادھر اچھال ہی دیا" بینش ہنس کر بولی

"بیکار بڑا اچھا دیدیا۔"

"فریق مخالف کو تمہارے اس دان پُن کی خبر لگی؟"

"کبھی کبھی تم مولوی عبدالحق بن جاتی ہو" جویریہ ہنسکر بولی "فریق مخالف!"

"اب صاف صاف ان کا نام کیسے لوں؟ مجھے پسند نہیں۔"

"کیوں بھئی! ایسے ہینڈسم اور کیا نام بیوٹی فل ـــ"

بینش کو بے ساختہ ہنسی آگئی "انسان کے حسن کا اندازہ اس کی سیرت سے لگایا کرو، سیرت سے! سمجھیں صورت سے نہیں، صورت ایک دن بڑھاپے کی بدنمائی میں بدل جاتی ہے، مگر عمدہ سیرت منفرد فطرت اور اچھی صفت عمر کے ہر دور میں خوشنما اور خوبصورت رہتی ہے، ان حضرت کی سیرت اور کردار میں مجھے خاصا جھول نظر آتا ہے، افتخار بھائی کے دوست ہیں اس لئے آج کی حرکت پر خاموش رہے جاتی ہوں، اگر پھر کبھی ایسی حرکت کی تو دیکھنا کیسی خبر لیتی ہوں اور کتنی قیامت اٹھاتی ہوں۔ میں درگزر کرنے والی آدمی ہی نہیں۔"

"اچھا بھئی اب لیکچربازی ختم کرو" بور ہو کر جویریہ نے کہا "میں تمہیں بلانے آئی تھی، مراد چچا کو کینسر ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ آپا نے بلایا ہے۔ چلو!"

"یہ پابندی الگ گراں گذرتی ہے" بینش نے برا سا منہ بنا کر کہا "آپا سے کہو انصاری صاحب کے کمرے میں جا کے بیٹھ جائیں، نہ بھی بیٹھیں تو کوئی انھیں اغوا کر کے نہ لے جائے گا۔ تیس سے اوپر تو ہو چکی ہیں۔"

"چلو بھئی، ہر وقت ہر بات کا قلع قمع کرنے کیلئے تیار رہتی ہو" جویریہ نے بھی برا سا منہ بنا کر کہا "جو آپا نے تم سے کہنے کو کہا تھا کہدیا۔ نہ آنا چاہو تو رہو یہیں۔ میں جاتی ہوں۔"

"جاؤ! ادھر زینے کا دروازہ بند کرتی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ فرہاد کے جانشین صاحب کی ناک پھر ادھر ہی گھوم جائے، دوہرا بولٹ لگا دینا ذرا۔ اب تو صاحب سے خوف معلوم ہونے لگا ہے

خدا بچائے، بہنس بولی اور مسہری پر لیٹ کر ٹیبل فین آن کر لیا۔

جویریہ نے دروازہ مضبوط بند کیا۔ اور نیچے چلی گئی۔

مُراد صاحب تیار بیٹھے تھے، ان کے ساتھ انصاری صاحب بھی جا رہے تھے، دروازے پر تانگہ کھڑا تھا۔ دالان میں نجمہ کھڑی حسرت سے مراد صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔ انکی آنکھوں میں مایوسی کے بادل سے تیر رہے تھے، جیسے انھیں اپنے مجبور باپ کا المناک انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ ایک انسانی جسم کی ہڈیوں کا اٹھنے بیٹھنے چٹ پٹ ٹوٹنے کا انجام جیسا ہو سکتا تھا وہ ظاہر تھا۔ یہ دوا علاج دل بہلانے کی باتیں تھیں ورنہ کینسر ہاسپٹل کے تمام ڈاکٹروں نے بہت پہلے جواب دیدیا تھا۔ گو کہ ان کے جواب مراد صاحب سے پوشیدہ رکھے گئے تھے لیکن چارہ گروں کو بھی مایوسی کو آس میں بدلنے کے دل خوش کن بہلاتے چاہیئے تھے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد نجمہ دیگر اور گم صم سی طاہرہ بیگم کے پاس جا بیٹھیں۔

جویریہ نے کچن میں جا کے وہاں کا جائزہ لیا۔ ایک طرف چبوترے پر کھیر کی ڈش پانی میں ٹھنڈی ہونے کیلئے رکھی تھی، دوسری طرف نیم گرم توے پر مہکتے ہوئے شامی کباب رکھے تھے چند لمحوں تک وہ دانتوں میں دوپٹے کا کونا دابے کھڑی رہی۔ آنکھوں میں شوق فراواں کے شرارے سے لپکتے رہے اور چہرے پر جذبوں کا الاؤ سا بھڑک اٹھا تھا اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ طاہرہ بیگم اور نجمہ اپنی لامتناہی گفتگو میں مگن تھیں، نزہت اسکول جا چکی تھی، ننھی منی چاندنی اور مزارع کی بچی کی کیا حقیقت تھی۔ انکی پروا اسے نہ تھی۔ افتخار بھی گھر پر نہ تھے آس پاس ہمہ گیر سناٹا تھا۔ جویریہ نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے ایک طشتری میں چار عدد کباب رکھے ایک کٹورے میں کھیر نکالی اور باہر نکلی۔ دو چار زینے تیز تیز چڑھ گئی۔ اور پھر دم سادھ کر کھڑی ہو گئی، ضمیر ایکدم سے ملامت کرنے لگا اور پاؤں کانپنے لگا۔ وہ جو کچھ کر رہی تھی کیا وہ شریف لڑکی کا وطیرہ تھا اور وہ خود پہ دیزی کی نظروں میں سبک و خفیف نہ ہو گی،

کیا سمجھیں گے وہ، اگر اس معمولی سی ضیافت کا ذکر افتخار سے نہ کر دیں گے، افتخار کیا سوچیں گے پرویز تو قطعی غیر ہیں، ان سے بات چیت ہی ضرورت نہ تھی، نہ کہ انکی مہمانداری؟ مرد بھی ایسی بے تکلفی پسند نہیں کرتے، ایسی لڑکیوں سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں، انھیں نظروں سے گرا دیتے ہیں اس کا دل کھوکھلی تاویلیں پیش کرتا رہا۔ بودے استدلال سے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن جویریہ نے اس کا کہنا ماناہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سب کچھ غلط سوچ رہی ہو۔ پرویز اس کی خیال آفرینی کی داد کیا نہ دیں گے!

پھر ڈرانے والے دل نے حوصلہ بندھایا اور وہ آنچل سنبھالتی اوپر بڑھ گئی۔

طویل برآمدہ سنسان تھا۔ دور پر سڑک نظر آرہی تھی جس پر راہ گیروں اور سواروں کا اژدہام تھا۔ برآمدے کے نیچے بھی دوپہر کی ویرانی بڑھ کے بھیجم ہو چکی تھی، جھاڑ جھنکار کو دیوانی ہوا چھیڑ رہی تھی، نیم کا گھنا ہرا بھرا درخت متحرک تھا اور سبز پتیاں مدھم سروں میں باجا بجا رہی تھیں، کہیں کوئی نہیں جو میری جانب نگراں ہو، جویریہ نے سوچا اور آگے بڑھ کر چپکے سے دروازے پر انگوٹھا بجایا۔ پھر دم سادھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کون صاحب ہیں آجائیے!" اندر سے پرویز کی گونجیلی آواز آئی۔ مگر دن کے ایک بجے بھی جویریہ کمرے میں جانے کی ہمت نہ کر سکی۔

"افتخار!" پرویز نے کہا "ارے آجاؤ بھائی، کھلا تو ہے دروازہ!"

مگر جویریہ مدھم سی ہنسی ہنس دی اور خاموش کھڑی رہی۔

پھر اندر سے ایسی آواز آئی جیسے پرویز نے میز آگے اور کرسی پیچھے سرکائی ہو، آہٹیں سنائی دیں۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا کہ جویریہ ٹین کے شیڈ کی آڑ میں ہو گئی۔ اس کا لباس تو نظر آہی رہا تھا۔ پرویز کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔

"کون ہیں آپ؟" انھوں نے بڑے تعجب سے پوچھا

"میں کوئی بھی ہوں، مگر آپ کیلئے کچھ لائی ہوں۔ وہ لیجئے!"، جویریہ نے کٹورہ اور اس پر رکھی طشتری کا ان کے آگے بڑھادی۔

آواز ان کیلئے نئی تھی

"اوہو، آپ ہیں، آپ کا نام جویریہ ہے"

"آپ کی معلومات حیرت انگیز ہیں"، جویریہ بولی

"مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں" پرویز کی دل پھینک طبیعت کے لئے یہ ہنگامی دلچسپی بھی بری نہ تھی۔

"کیوں آپ سے پردہ جائز نہیں ہے کیا؟"

"ضرور ہے، کیونکہ میں آپ کا کون ہوتا ہوں۔ مگر یہ صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں کی کیفیت مجھے پسند نہیں اور میری عادت ہے جس کسی کا چہرہ میں دیکھ نہیں لیتا اس کے ہاتھ سے تحفہ بھی نہیں لیتا۔"

"خدا کیلئے آہستہ بولئے!"، جویریہ اب گھبرا رہی تھی، اور جلدی سے کٹورہ تھامیئے۔ میرا ہاتھ دکھنے لگا ہے! میں اب جاؤں گی۔"

"بہت نازک اور خوبصورت ہاتھ ہے آپ کا۔" ٹین کی دیوار کی آڑ سے بڑھے ہوئے ہاتھ سے پرویز نے کٹورہ لے لیا۔ انکی ہنسی کی مدھم گونج سن کر جویریہ پانی پانی ہو گئی، اس پر خجالت اور شرمندگی کا دورہ سا پڑ گیا وہ آڑ سے نکل کر بھاگنے ہی لگی تھی کہ پرویز نے لپک کر اس کی باہنہ پکڑ لی۔

"میں کوئی جانور نہیں۔ اب چھوڑوں گا بھی نہیں، اندر آکے بیٹھئے! باتیں کریں؟"

"نہیں نہیں" منت بھیرے بھیرے جویریہ نے لرز کر کہا اور بازو جھٹکا کر زینے کے سرے تک آگئی۔ پھر پھولی ہوئی سانسوں میں بولی۔

"پرویز صاحب! میں شرمندہ ہوں، خدا کیلئے میری اس جسارت کو بھول جائیے گا۔ اب میری نیکنامی آپکے ہاتھ میں ہے۔"

پرویز ہکا بکا سے کھڑے ہی رہ گئے اور جویریہ ہوا کی مانند زینوں پر سے گذر گئی، انھیں سوچنے کیلئے ایک اہم نکتہ دے گئی۔

جویریہ کی قبول صورتی، خوبصورتی کی سرحد سے مل گئی تھی، اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں، ان میں قدرتی کاجل لگا تھا۔ لمبی لمبی خوشنما پلکیں تھیں، اگر نیچے دیکھتی تو معلوم ہوتا کہ جیسے پلکیں آپس میں الجھ گئی ہیں وہ جامہ زیب بھی اتنی ہی تھی۔ ملگجا سا لباس بھی پہن لیتی تو اس پر کھل اٹھتا، سیرت کے لحاظ سے بھی بہت اچھی تھی۔ نیک تھی مخلص اور ہمدرد تھی، ایثار و قربانی میں بھی آگے آگے رہتی۔ اکثر دونوں بہنوں کے بارے میں افتخار نے تفصیل سے سنایا تھا۔ بینش کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور وسائل مہیا نہ تھے، جویریہ نے سال بھر تک ٹیوشن کئے تھے ان کی فیسوں سے بینش کی فیس ادا کی تھی اور اسے بہر حال انٹر کرا دیا تھا۔ دن رات کی دماغی محنت نے جویریہ کو بیمار کر دیا تھا اس نے مستقلاً سر میں درد پیدا کر لیا تھا۔ مگر کبھی اپنے تعلق سے کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آئی۔ بینش نے انٹر پاس کر لیا تب جویریہ نے بڑی خوشی سے کہا تھا کہ اس کی محنت وصول ہو گئی۔ وہ خود دسواں فیل تھی، پرویز مزے مزے سے کباب کھاتے رہے اور سوچتے رہے۔

ایک گھر میں رہتے ہوئے مردوں سے لڑکیوں کا پردہ ناممکن ہو گیا تھا۔ چلتے پھرتے پرویز کا لڑکیوں سے سامنا ہوتا رہتا تھا۔ چونکہ ان کی تعلیم اور شرافت کا سکہ افتخار کے دل پر جم گیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے بھی کچھ دھیان نہیں دیا کہ یہ بے پردگی آگے چل کر کوئی گل کھلائے گی افتخار کے دل میں کوئی بری بات آتی ہی نہ تھی، جتنے صاف باطن وہ تھے، ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتے تھے اور چونکہ پرویز اب ان کے نہایت جگری مخلص دوست تھے، لہٰذا انکی طرف سے کوئی بدگمانی افتخار نے کبھی نہیں کی۔ وہ تو یہ سوچ کر خاموش ہوتے تھے کہ پرویز اور ان کے والدین کی وجہ سے افتخار کو بھی ایک کنبہ ملا تھا۔ انھیں ماں باپ کی شفقت کا مزہ ملا تھا کھانے پینے کی سہولت ہو گئی تھی، اپنا کمرہ صاف ستھرا ملتا تھا، کسی بات کی کوئی تکلیف نہ رہی تھی، ان دونوں کی دوستی اور محبت کا اٹوٹ بندھن دن بہ دن مضبوط اور پائدار ہوتا گیا اور انصاری صاحب کی محبت اور خلوص کا یہ حال تھا کہ وہ افتخار کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ کس طرح مراد صاحب اور نجمہ کے پیچھے افتخار تن من دھن سے لگے تھے بوڑھے بیمار اور قریب المرگ مراد صاحب کی تیمارداری آسان کام نہ تھی ان کیلئے تھر مٹھی روپیہ خرچ کرتے تھے اور کسی چون وچرا کے بغیر افتخار ان کا علاج کروا رہے تھے، حالانکہ معالجین نے صاف صاف جواب دیدیا تھا۔ ان کا مرض خطرناک تھا اس کا علاج ممکن ہی نہ تھا۔ وہ کبھی بھی مر سکتے تھے، عجیب مرض تھا کہ بدن کی ہڈیاں ٹوٹ رہی تھیں، اٹھتے بیٹھتے ہڈیوں کے جوڑ

ٹوٹتے اور پاس بیٹھنے والے آواز سن سکتے تھے، لیکن کیسا بھی بُرا مرض ہو، معالجین کتنے ہی
نا امید ہوں، مریض کبھی مایوس اور نا امید نہیں ہوتا اسے آس بندھی رہتی ہے، صحت مند ہونے
کی تمنا اسے سہارا دیئے رہتی ہے، زندگی کچھ ایسی ہی پیاری شے ہوتی ہے۔ پھر انھیں کچھ تجربہ کا
بھی خیال تھا۔ افتخار ایسی ہی فطرت رکھتے تھے، جب کسی کا بھی دکھ ہو ان کا ذاتی دکھ بن جاتا
تھا اور نجمہ کی ازدواجی کے سارے دکھ انھیں معلوم تھے، نجمہ کی ماں کو سدھارے ایک زمانہ
ہو گیا تھا۔ پھر مراد صاحب نے پانچ سال کی بچی کی خاطر دوسری شادی نہیں کی تھی، ان کی ماں
بھی بن گئے تھے، نجمہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں انکی شادی کر دی تھی
بہت کچھ لاڈ لشکر دے کے کی تھی، وہ آبرسانی کے محکمے میں افسر تھے، معقول تنخواہ ملتی تھی
کھانے والے صرف دو تھے، چنانچہ اپنی ساری آمدنی وہ بیٹی کا جہیز جوڑنے میں صرف کر دیتے
نجمہ کا رشتہ معیاری لوگوں میں ہوا تھا۔ نجمہ بہت سا جہیز لے کے سدھاری تھیں، ساٹھ تولے
کے قریب سونا اور سیروں چاندی، ان گنت ملبوسات تھے، تحفے تحائف مزید ملے تھے۔ وہ
عیش کر رہی تھیں، ساس سسر شوہر اور نند بہت چاہتے تھے، پھر جب بچی پیدا ہوئی تب تو
سب کی چاہت دونی ہو گئی، لیکن ان کے عیش نے بہت جلدی اپنا تاوان لے لیا۔ ننھی چاندنی
ابھی دو سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ نجمہ کے شوہر چل بسے۔ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے
ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ نجمہ پر بھی دکھ کے بادل برس گئے، بیٹے کے غم میں ماں پاگل ہو گئی
سسر نے بھی بہو کا منھ دیکھنا گوارہ نہ کیا۔ شوہر کے بعد نجمہ کا سسرال میں کام ہی کیا تھا۔ اور
انھیں سسرال سے نکال دیا گیا اور وہ اپنا سارا لاڈ لشکر سونا چاندی چھوڑ چھاڑ کے جیتی جان کو
لئے باپ کے گھر آ بیٹھے، شوہر کے مرنے کے بعد ان پر جتنے مظالم ہوئے وہ خوفناک تھے،
سب کی نگاہیں یک لخت بدل گئیں تھیں، اب نند دن رات کلیجہ چباتی تھیں۔ سسر تو فحش
گالیاں بکتے تھے اور ساس ان پر ہاتھ اٹھانے لگی تھیں جب غم اور غصہ ان پر یک ساتھ

حملہ کرتے تب وہ کوئی سی بھی چیز جو انکے ہاتھ لگ جاتی۔ مثلاً اسٹیل کی کفگیر، پتیل کا ڈونگا وہ انہی ہتھیاروں سے نجمہ پر حملہ کر دیتیں، اس طرح مارتیں کہ اسٹیل اور پتیل کی مضبوط ڈنڈیاں نجمہ کی پیٹھ پر ٹیڑھی ہو جاتیں بال پکڑ کر دیوار پر سر دے دے مارتیں، نجمہ کا حال بہت بُرا تھا پھر ایک دن کسی خیر خواہ نے مراد صاحب تک بات پہونچادی کہ ان کی نازوں پالی بیٹی پر کیسے ستم ہو رہے تھے، مراد صاحب انھیں لے آئے اور نجمہ اپنا سارا سامان جہیز سسرال ہی میں چھوڑ کر تن کے کپڑوں میں باپ کے گھر آ رہیں۔ یہ سارے مظالم افتخار نے بھی دیکھے تھے اور وہ اب ان مظالم کے زخموں کا مداوا کر رہے تھے، اگرچہ مراد صاحب کو پینشن مل رہی تھی۔ مگر دو کمروں کا کرایہ وہ نجمہ کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ ان کی بچی کو قصبے کے مدرسے میں داخل کر دیا تھا اس کے مصارف برداشت کر رہے تھے، کسی معاوضہ یا بدلہ اور لالچ کے بغیر۔ اس کے بعد جویریہ اور بینش کی ذمہ داریاں ان پر آکے پڑ گئی تھیں۔ دونوں بہنیں خالی ہاتھ آگئی تھیں ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ حالانکہ وہ ان کی دور کی عزیز ہوتی تھیں، لیکن چونکہ بے سہارا تھیں، جن کے ماں باپ نہ تھے اور وہ افتخار کی پناہ میں آئی تھیں، چنانچہ افتخار نے اپنا فرض نبھایا اس فرض کے پردے میں کوئی لطیف اور من موہنا سا جذبہ اور بھی کروٹیں لے رہا تھا۔ جس کی خبر افتخار کو تو تھی لیکن معلوم نہ تھا کہ بینش بھی واقف تھی کہ نہیں۔

بینش غیر معمولی حسین تھی، جنم تو اس نے لیا تھا ایک غریب محرر کے گھر میں، لیکن صورت لے آئی شہزادی جیسی، بہت چھوٹی سی تھی، تب ہی سے نوخیز لڑکوں کی ماؤں نے اسے مانگنا شروع کر دیا تھا۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اس کا حسن بھی چمکتا دمکتا گیا۔ اور اب اٹھارہ ۱۸ انیس ۱۹ سال کی عمر میں وہ چودھویں کے چاند کو شرمانے لگی تھی اس پر پہلی ہی نظر پڑتی اور مسحور کر دیتی۔ سیاہ مخمور آنکھوں کا جادو عجیب تھا۔ خوشنما ناک، باریک اور سرخ ہونٹ چمکتی ہوئی پیشانی، رہی سہی کسر گالوں میں پڑنے والے حسین گڈھے تھے۔ اگر ذرا سا بھی

ہونٹوں کو جنبش دیتی بس گہرے گہرے گڑھے ایسے اندھے کنوئیں بن جاتے کہ دیکھنے والے کیلئے ان میں گرکر ابھرنا مشکل ہوجاتا، قدرت نے جی کھول کر اُسے حسن کی دولت سے نوازا تھا اس کے خوبصورت چہرے مہرے پر مستزاد اس کے بال تھے، دراز اور سیاہ چمکیلے بال جو اس کی کمر سے بہت نیچے جھولتے تھے، جن میں قدرتی لہریں پڑی ہوئی تھیں، وہ سر سے پاؤں تک حسن ہی حسن تھی۔ اسے اپنی اچھوتی خوب صورتی کا احساس تھا اور وہ کچھ کچھ مغرور اور تیز مزاج بھی تھی لیکن اس کے شباب کے جائز اور معصومانہ عیوب کو اس کے محاسن نے چھپا رکھا تھا۔

افتخار اس کے حسن سے متاثر تھے، بے حد چاہتے تھے اُسے، چھپ چھپ کر اسے دیکھا کرتے کان لگا کر اس کی آواز سُنا کرتے اور اپنے گھر میں سے آنے کے بعد تو ان کی محبت کا چراغ زیادہ بھڑک اٹھا تھا وہ یہ سوچ ہی نہ سکے کہ جس طرح وہ اسے چاہتے ہیں کوئی اور بھی چاہ سکتا ہے۔ وہ بادلوں میں پوشیدہ بجلی نہ تھی، مطلع زندگی پر چمک رہی تھی اور سب پر گر سکتی تھی انھیں پرویز کی محبت اور جنون کی خبر ہی نہ لگی، جب کہ پرویز کے بے محابا عشق کی آگ اب آتش فشاں بننے والی تھی۔

ان دنوں انصاری صاحب کے گھر میں بڑا دل چسپ جمگھٹا رہنے لگا تھا۔ عجیب بات تھی کہ افتخار کے مکان کے سارے ہی کرایہ دار ان ہی کے گھر میں جمع رہتے تھے، مراد صاحب، نجمہ اور لڑکیاں تو ان ہی کے گھر کی فرد تھیں، مگر پچھواڑے اور دوسری طرف کے کئی کرایہ دار جن سے رسمی سے مراسم تھے وہ بھی یہیں آجاتے اور جانے کا نام بھی نہ لیتے،

انصاری صاحب بھی مجلس پسند تھے، ان کا بہت جی لگتا، پنشن کے بعد بہت اداس اور روز و شب گذار رہے تھے، اب مراد صاحب اور دوسرے کرایہ دار اسحٰق صاحب ان کے بھائی ایک اور صاحب اشرف میاں سے گپ شپ ہوا کرتی، جانے کون کون سے موضوع کہاں کہاں سے کھود کے نکالے جاتے، اور ان پر ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیر حاصل بحث کرتا۔!

اشرف صاحب سیاست سے متعلق تھے، ان کی بحثیں بڑی زوردار ہوا کرتیں، اسحٰق صاحب کو ادبیت سے دلچسپی تھی۔ ان کے بھائی رفیع صاحب کو شعروشاعری سے لگاؤ تھا، مراد صاحب تعمیری کاموں سے تعلق رکھتے تھے، اور مرزا صاحب کی ریاضیات کی معلومات فلک رسا تھیں۔ چنانچہ ایک دور افتادہ گاؤں کے ایک مکان میں ہمہ مقصدی یونیورسٹی کھل گئی تھی۔

افتخار اور پرویز کے مشاغل الگ تھے۔ دونوں بیکار تھے، روزگار کی طرف سے مطمئن تھے، لہذا جنگل اور ندی کی سیر کو نکل جاتے، وہاں پرندوں کا شکار کرتے۔۔۔ مرغابیاں مارتے اور پھر جنگلی چکور، کچی کچی خوبانیاں، جنگلی کھٹے سیب کھا کے بیچ ندی میں بیٹھ کر تازہ پانی اور ٹھنڈا استفاف پانی پیتے پھر شکم سیر ہو کر کسی گھنیرے درخت کے سائے میں بے خبر سو جاتے۔

ان ظاہری مشاغل کے سوا دونوں میں سے ایک کو بھی دوسرے کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا، افتخار اور بینش کب گھل مل کے گفتگو کرتے ہیں، پرویز کو اس کا علم نہ تھا۔ اور جویریہ جیسی بے زبان لڑکی نے پرویز کے مردانہ حسن پر جان و دل نچھاور کر دئے تھے اس کی خبر افتخار کو نہیں تھی۔

پرویز کو جویریہ سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا لیکن جویریہ کی اپنی ذات سے دلچسپی اور اس کے معنی پرویز پر بخوبی واضح ہو چکے تھے، اب ان پر شیخ صاحب کی وقتی ملازمت بھی مسلط ہو گئی تھی، انصار صاحب کے نادری حکم پر انھیں روز صبح نو بجے سے دوپہر کے دو بجے تک شیخ صاحب کے کاموں میں مشغول رہنا پڑتا تھا ان کا بھی نادری حکم تھا کہ ان کا حساب کتاب کا دشوار کام ان کی آنکھوں کے سامنے کرے۔ چنانچہ وہ ہر روز ایک معقول رقم کے ساتھ ایک تازہ گوشوارہ پرویز کے سرہانے کو اپنے اجلاس میں جا بیٹھتے اور ہزار ہا گالیوں کو نوں

اور بد دعاؤں کے ساتھ دن کے دو بجنے اور قفس کا در کھلنے کا بے تابی کے ساتھ انتظار کیا کرتے تھے۔

اور گھر پر کچھ نہ کچھ نئی چیز لئے جو ریہ ان کا راستہ دیکھتی۔ اب آمنے سامنے گفتگو میں کچھ حجاب نہ رہ گیا تھا لہذا جویریہ کو شکوہ کرنے میں بھی تامل نہ ہوتا۔

"پھر اتنی دیر کر دی آپ نے اور شیر خورمہ ٹھنڈا ہو کے غارت ہو گیا۔"

"میں آپ سے پھر استدعا کرتا ہوں جویریہ میرے لئے یہ زحمت نہ کیا کیجئے۔" پرویز کو سخت الجھن ہوتی، اس نے بڑے خشک لہجے میں کہا "آپ تو میرے خیال میں یہ چیزیں پکاتی بھی رہتی ہیں میں آرام سے کھا پی بھی لیتا ہوں۔ مگر ذرا تو سوچئے کہ یہ ضیافت اگر کسی نے دیکھ لی تو کیا ہوگا؟ آپ واقعی بڑی نڈر اور دلیر ہیں۔ لیکن میں سچ مچ بہت ڈرپوک ہوں۔! ممکن ہے کہ افتخار صاحب مجھے اپنے گھر ہی سے نکال دیں۔"

"وہ سب چھوڑ یئے! بس یہ بات بتائیے کہ آپ کو میری یہ خوشی کیا گوارا نہیں ہے نہ کیا کروں یہ سب کچھ،" جویریہ کا لہجہ روہانسا ہو جاتا "آپ کو خبر کیا جب میں آپ کا خیال کر کے آپ کے لئے من پسند ڈش تیار کرتی ہوں تو میرا دل کس کس انداز سے محبت کے نغمے گنگناتا ہے۔"

"محبت کے نغمے؟"

پرویز نے کہا اور دم بخود ہو کر رہ گئے۔ پرویز کو گمان بھی نہ تھا کہ ایک گھریلو بے زبان سی لڑکی ان کے سے غیر مرد سے بے دھڑک محبت کی بات کہہ دے گی۔ بے چاری کو گمان تک نہیں کہ پرویز اس کے تھے نہ کبھی ہو سکتے تھے۔ ان کے دل میں بنفش کی محبت اور اس کے حصول کی جوالا بھڑک رہی تھی اور پرویز کو بھی علم نہیں تھا کہ بنفش افتخار کی محبت میں گلے گلے ڈوبی ہوئی تھی، افتخار کا سلوک ان کا رویہ اور خلوص بہت کم صم تھا لیکن وہ خلوص

بینش کے دل میں گونج رہا تھا اسے پرویز کی بیباکی، دیدہ دلیری اور بے حجابانہ محبت کے اظہار کا انداز پسند نہ تھا۔ جوں جوں وہ اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے بہانے ڈھونڈتے اور ہنسنے بولنے کے موقعے تلاش کرتے، ویسے ویسے بینش کے دل میں ان کی طرف سے نفرت اور بیزاری بڑھتی جا رہی تھی، لیکن پرویز افتخار کے دوست تھے اور وہ افتخار کی ممنون احسان تھی لہٰذا وہ پرویز کی کوئی شکایت افتخار سے نہ کر سکی، دل ہی دل میں گھٹتی رہی، اور دعا مانگتی رہی کہ وہ جلد سے جلد شہر واپس چلے جائیں، غریب لڑکی بینش مستقبل میں اس کیلئے کیا پوشیدہ تھا وہ نہ جان سکی۔

افتخار کے خاموش جنون کا علم پرویز کو نہیں تھا دونوں ہی اپنے دلی جذبات چھپانے پر قادر تھے، افتخار اس لیے کہ انکی شرافت یہ گوارہ ہی نہ کرتی تھی کہ وہ کسی بھی بات کا احسان بینش پر کی گردن پر رکھ دیں اور بینش کی نسائی شرم اسے زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، بڑے تعجب کی بات تھی کہ تجربہ کار پرویز کو افتخار کی محبت کا علم نہ تھا وہ تو اس اس احساس میں مگن تھی کہ بینش کو پرویز سے قطعی نفرت تھی اتنی نفرت کہ اس نے کہہ سن کے اپنے رہنے سہنے کا انتظام نچلی منزل کے ایک کمرے میں کر لیا تھا اور اوپری منزل کا روشن ہوادار اور بڑا کمرہ چھوڑ دیا تھا افتخار نے وجہ دریافت کی تھی،

"کمرہ کیوں چھوڑنا چاہتی ہو؟ بہت بہترین کمرہ منتخب کر کے تمہارے لئے صاف کروایا تھا۔ نیم کے درخت کی صحت بخش ہوا ادھر آتی ہے اور برآمدے میں نکل جاؤ تو دور پر سڑک کا نظارہ بہت اچھا لگتا ہے وہ نیچے والا کمرہ ذرا تاریک بھی ہے اور وہاں پر ہوا بھی نہیں آتی۔"

بینش نے تب بھی پرویز کی نا کا چھاپنے کی بات نہیں کہی بہانہ بنا دیا "دن میں کمرہ خوبصورت لگتا ہے مگر راتوں میں بھیانک ہو جاتا ہے۔"

ہنس کر افتخار نے پوچھا "کیا ہوتا ہے رات کو؟"
"نیم کی شاخیں دیوار سے ٹکراتی ہیں تو ایسی خوفناک آوازیں پیدا ہوتی ہیں، اور دور عمارتوں کی روشنیاں سامنے والی دیوار پر عجیب عجیب ڈراؤنی شکلیں بناتی ہیں میں چین سے سو نہیں سکتی، نیچے کے کمرے میں کم سے کم آرام سے سو تو سکوں گی۔"

"ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں، برآمدے کے آخری سرے پر پروفیسر رہتے ہیں، ان کی وجہ سے مضبوطی نہیں معلوم ہوتی"، سادہ لوح انسان نے کہا۔

جواب میں ہنیش بگڑ گئی "یہ بھی آپ نے اچھا ہی کیا کہ ہمارے کمرے کے برابر ایک مرد آدمی کو بھی لبسا لیا۔ سب سے پہلے تو انہی سے خوف معلوم ہوتا ہے، کس کے دل میں جھانک کے کس نے دیکھا ہے۔"

"ارے، اتنی بھی بدگمانی نہ کرو بیٹی!"، افتخار نے جلدی سے کہا "میرا دوست تو فرشتہ صفت ہے، سیدھا سادہ، اس سے خوف کیا، خیر تم ڈرتی ہو وہ بات اور ہے چلی جاؤ نچلے کمرے میں، مگر پھر جویریہ، کیا وہ بھی تمہارے ساتھ رہے گی؟"

"وہ میری طرح ڈرپوک نہیں ہے۔"

"اچھا تو امام علی سے کہہ دوں گا تمہارا سامان نیچے لا کے رکھ دے، مگر میری مانو کہ دن بھر یہیں رہو، شام کو صرف آرام سے سونے کیلئے نیچے چلی جایا کرو، ویسے تم کو یہاں آرام نہ مل سکے گا۔"

"کیوں؟"

"پاس والے کمرے میں مراد چچا رہتے ہیں۔ رات بھر بیچارے سوتے نہیں، کراہتے اور کھانستے رہتے ہیں۔"

"بے آبروئی سے بے آرامی بہتر ہے"، ہنیش نے کہا

"کیا؟" افتخار نے چونک کر پوچھا

"اب سچ کیا سنئیے گا؟"

"کوئی خاص بات ہے بنفشہ، تم نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"میں کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن صرف اتنا ہی کہوں گی کہ آپ کے دوست مجھے کچھ شریف اور بلند کردار نہیں معلوم ہوتے، وہ ہر روز اپنی کتابیں لے کر نیم کے نیچے زینے پر آ بیٹھتے ہیں اور ان کی نظریں ہمارے دروازے پر زیادہ کتاب پر کم رہتی ہیں۔"

افتخار ہنسنے لگے "تم ہو ہی ایسی حسین بنفشہ، جو ایک بار دیکھ لیتا ہے، حاتم طائی کی طرح نعرہ لگانے لگتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے وہ تو مجھ سے تمہاری تعریف کرتے ہی رہتے ہیں۔"

"اور آپ ٹھنڈے بیٹھے سنا کرتے ہیں" انھیں گھور کر بنفشہ نے کہا

"خوش ہوتا ہوں، اپنی چیز کی کوئی تعریف کرے تو خوشی ہوتی ہی ہے۔"

"کسی اور کو تعریف کرنے کی ضرورت نہیں" بنفشہ نے معنی خیز حجاب میں کہا "آپ کرتے رہیں، بس کافی ہے۔"

"بنفشہ؟؟"

"ہوں!"

"ایک بات پوچھوں؟"

"کیا آپ کو اجازت کی ضرورت ہے؟"

"ڈرتا ہوں کہ کہیں میری کوئی بات تمہیں ناگوار نہ گذرے"

"مطمئن رہیے! آپ کی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں گذر سکتی!"

"سچ مچ؟"

"ایمان سے، سچ! اب پوچھیے؟"

"بات کچھ ہلکی ہے، نہ اس قابل ہے کہ میرے منھ سے نکلے اور نہ اس لائق ہے کہ تم سے کہوں"۔

"یہ تکلّف تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں کے رشتے اس تکلّف سے قطعی بالاتر ہوا کرتے ہیں، کہیئے!"

"کہنا یہ چاہتا تھا کہ کیا کبھی تم نے اندازہ لگایا ہے کہ میرے دل میں تمہاری کتنی محبت بھری ہے، میں کیا چاہتا ہوں تم سے، تمہارا ہاتھ، تمہاری الفت"

بینش نے محجوب ہوکر سر جھکا لیا اور چپکے سے بولی "آپ نے سچ مچ نہ پوچھنے والی بات پوچھی ہے، مجھے آپ سے شکایت ہے، کیا میری آنکھوں کا کوئی پیغام آپ کے دل تک نہیں پہنچا۔ میں منھ سے کیا کہوں؟ یہ تو آپ کے کہنے کی بات ہے میری نہیں"

"بینش پھر آخر دیر کس بات کی ہے، اگر تم کہو تو میں مراد چچا سے اس بارے میں بات کر دوں، ہم جب ایک دوسرے کے ہیں تو پھر یک جائی میں کیوں تاخیر ہو رہی ہے"

"مراد چچا سے کیا مطلب؟" بینش نے جواب دیا "وہ میرے کون سے بزرگ ہیں جب سے میں نے زمیندار صاحب کے بیٹے کے سلسلے میں صاف جواب دیا ہے تب سے وہ میرے مخالف بن گئے ہیں انھیں اپنی نواسی کی فکر ہے، زمیندار نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ آپ بینش کو میری بہو بنا دیجئے میں آپ کو نقد دس ہزار روپئے دوں گا۔ میرے انکار کے بعد انکی دس ہزار کی رقم ماری گئی، تب ہی سے وہ مجھ سے ناراض ہیں دیکھ لیجئے گا کبھی راضی خوشی جواب نہیں دیں گے، کچھ نہ کچھ ٹیڑھی ٹانگ ضرور اڑکا دینگے"۔

"یہ قصہ تو مجھے معلوم ہی نہ تھا"

"اب کیا کیا قصے میں آپ کو سناؤں"

"میں مراد چچا کو اس طبیعت کا آدمی نہیں سمجھتا تھا گویا وہ دس ہزار روپے میں تم کو فروخت کر رہے تھے۔"

"تو اور کیا! میں ان کی ہوتی کون ہوں، پتہ نہیں اماں کا کیا رشتہ تھا ان سے ہم سب انھیں چچا ماموں کہنے لگے، کبھی کھل کر کوئی بات ہی معلوم نہ ہو سکی۔ آپ نجمہ آپا کو دیکھتے ہی ہیں، سچ بتایئے! کبھی انھوں نے مجھ سے چھوٹی بہن کی سی بات کی ہے؟ جویریہ سے اچھی طرح ملتی جلتی ہیں اس کے ساتھ کوئی ایسا ویسا مسئلہ نہیں ہے نا؟ مجھ سے جلتی ہیں۔"

"تب تو میرا مسئلہ آسان ہو گیا ہے،" افتخار نے کہا "میں مراد چچا کو ایک بزرگ کی حیثیت سے درمیان میں رکھنا چاہتا تھا۔ اب انکی طرف سے میرے دل میں میل آگیا ہے میں جو چاہوں گا کروں گا۔"

"بدنامی مجھ پر آئے گی نا!" بنیش بولی "آپ مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ میرے لئے کپڑے وپڑے لاتے ہیں اس دن مراد نے کریم کے ہاتھ رقعہ اور دو سو روپئے بھجوا دئے تھے، سب نے دیکھا اور برا مانا کہ جب کوئی شرعی رشتہ نہیں ہے تو پھر آپ کی مدد کا جواز کیا ہے!"

"تو گویا یہ لوگ مجھے اپنی مرضی کا پابند بنانا چاہتے ہیں،" افتخار کو غصہ آگیا وہ تو بہت ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے لیکن انھیں غصہ بھی آتا تھا اور دیر تک رہتا تھا برہم لہجے میں بولے "میں عجیب احمق ہوں خواہ مخواہ کسی نہ کسی بزرگ کو ہمدردی اور شفقت کی خاطر سمیٹتا رہتا ہوں اب مراد صاحب سے کوئی مطلب نہ رکھوں گا، اگر کہو تو انصاری چچا سے کہوں کہ آپ بڑے اور ایک بزرگ کی حیثیت سے ہماری شادی کرا دیجئے!"

"ہاں!" شرم کی گلابی بنفشہ کے چہرے پر پھیل گئی۔ "مراد چچا کے مقابلے میں انصاری صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔ کیونکہ پیسے کوڑی یا کوئی مالی مفاد سے انھیں سروکار نہیں ہے آپ اگر کہہ سکیں تو ان سے ہی کہئے۔ وہ ہم دونوں کو عزت سے کم نہیں چاہتے، آپ کو شاید خبر نہیں کہ ابھی شیخ صاحب سے انھیں جو پیسے ملے تھے وہ انھوں نے چار چار سو مجھے اور جویریہ کو بھجا دئے کہ کپڑے بنالیں۔ میں نے تو کپڑے خرید بھی لئے، جویریہ نے البتہ اپنی رقم پرویز صاحب کو دیدی ہے۔" یہ کہہ کر بنفشہ نے ایکدم ہونٹ دبا لئے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

"پرویز صاحب کو؟" افتخار چونک پڑے "کیوں، یہ کیوں، جویریہ اور پرویز صاحب کے ایسے مراسم کیسے ہوگئے کہ یہ اپنائیت بھرا لین دین شروع ہوگیا۔"

"اب میں کیا کہوں آپ سے،" بنفشہ نے رکتے رکتے کہا "اپنی بہن کی بات ہے، آپ نہ جانے کیا سوچیں۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں،" افتخار نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "میں سمجھ گیا۔ جویریہ پرویز پر لٹو ہوگئی ہے، لیکن بنفشہ کیا یہ اچھی بات ہے، تم لوگوں کا کوئی سرپرست نہیں ہے نہ کوئی پابندی ہے، لوگ کیا کہیں گے۔ بے جا آزادی اور خود مختاری کے نتیجے میں کہیں کوئی رسوائی ہاتھ نہ آئے، میں تو جویریہ کو سمجھا نہیں سکتا تم سمجھاؤ، مجھے بتاؤ، ان لوگوں میں ملاقات کب ہوتی ہے۔ کیا کیا باتیں ہوتی ہیں۔"

"آپ جویریہ سے کچھ نہ کہئے گا،" بنفشہ نے کہا "وہ مجھ سے لڑے گی۔ ابھی معاملہ اتنی دور نہیں پہونچا ہے، میں اسے سمجھا دوں گی۔"

"معاملہ یقیناً دور پہونچا ہے۔ ورنہ پھر یہ اپنائیت سے ایک دوسرے کی مدد کرنا آخر ہے کیا۔"

پرویز صاحب کو پیسوں کی ضرورت تھی انھوں نے شاید اس سے ذکر کیا تھا۔ جو بھی کے پیسے میرے پاس رکھے تھے، نجانے کب بیٹی نے نکال لے گئی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ چلو کپڑے لے آئیں تب اس نے بتایا کہ چار سو روپے اس نے پرویز کو دیدئے۔"

"سمجھاؤ بینش اسے سمجھاؤ" افتخار نے کہا "یہ ڈھکی چھپی محبت، یہ راز داری کوئی رنگ لے آئے گی، ناسمجھ لڑکی کوئی روگ لگالے گی، پرویز تو تین چار دن بعد شہر جانے والے ہیں، پھر وہ سالانہ امتحان ہی دے کر واپس آئیں گے کیا تم نے ایسے واقعات دیکھے سُنے نہیں کہ اس طرح کے معاملات میں دکھ اور غم لڑکی ہی کے حصے میں آتی ہے۔ جویریہ کو میں سمجھدار لڑکی خیال کرتا تھا ایسی نادان اور بیوقوف کیسے ہوگئی اور حد یہ کہ پرویز نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"

"بُرا کیا، آپکے اعتماد کو ٹھیس پہونچائی"۔

"اب تو میں انکی طرف سے مشکوک ہوگیا ہوں" افتخار نے کہا "تمہاری اس قدر تعریفیں کرتے ہیں، کہیں وہ بھی تو کوئی معنی نہیں رکھتیں، تم غیرمعمولی حسین ہو، تم کو دیکھ کے ہر شخص تمہاری آرزو کر سکتا ہے پرویز کے سینے میں بھی آخر گوشت پوست کا ایک دھڑکتا ہوا دل ہے۔"

"فضول باتیں نہ کیجئے افتخار صاحب!" بینش نے جلبلا کر کہا "آپ نے کیا مجھے بھی بھائی کا بینگن سمجھا ہے، میں نہیں ہوں ایسی، امتحان لے لیجئے!"

"تمہاری محبت پر تو ایمان ہے بینش" افتخار نے محبت پاش لہجے میں کہا "مگر تم جانتی ہو کہ محبت بدگمان بھی بہت ہوتی ہے، ایسے ویسے خیال آتے ہیں اور میرا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔"

"اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ ۔ کہ ——" وہ رک گئی۔

"تم جو کچھ کہتی ہو وہ ٹھیک ہے، انصاری صاحب سے کہوں گا کہ" وہ بھی رک گئے تھے۔

"اجازت طلب کیجئے گا اُن سے ؟" ناگوار انداز میں بینش نے کہا

"ذکر کروں گا۔ اجازت نہیں طلب کروں گا" افتخار مسکرائے "بھئی اتنے دن سے ان کے ساتھ ہوں، ان کے گھر کا ایک فرد بن چکا ہوں، اپنی زندگی کی ساری کہانی اُن سے کہی ہے ان کے دکھ درد سُنے ہیں۔ انھیں اپنا بزرگ مان چکا ہوں خالہ اماں مجھ سے اسقدر محبت کرتی ہیں، لہذا میری سعادت مندی کا یہ تقاضا ہے کہ زندگی کا اتنا بڑا کام کرتے ہوئے اُن سے مشورہ کروں، انکی نصیحت مانوں، کہیں گے نہیں کہ انھوں نے مجھے بیٹے کی طرح سمجھا اور میں نے ان سے تذکرہ تک نہیں کیا۔"

"آپ کی مرضی!" بینش بولی "کہیں کوئی اڑنگا نہ لگا دیں۔"

"تم سے یا مجھ سے انھیں کوئی فائدہ نہیں،" افتخار نے جواب دیا "پھر اڑنگا بھلا وہ کس لئے لگائیں گے؟"

"سنئے افتخار صاحب نہ جانے کیا بات ہے کہ ـــــ"

"عجیب لڑکی ہو تم بھی بینش!" حیران ہو کر افتخار نے کہا "یہ افتخار صاحب کون سے بزرگ ہیں؟ کیوں کہنے لگی ہو افتخار صاحب؟"

"پہلے آپ کو بھائی کہتی تھی" بینش نے مسکرا کر کہا اور سر جھکا کر ہوشربا انداز میں بولی "مگر اب جی نہیں چاہتا ہے۔ اس لئے کہتی ہوں صاحب!"

افتخار کے سادہ سے چہرے پر معصوم جذبوں کی روشنی کو دینے لگی، انھوں نے بینش کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا، "سچ مچ بینش! دل سے کہہ رہی ہو ایسا یا صرف مجھے خوش کرنے کیلئے!"

خشمگیں نگاہوں سے انھیں گھور کر بنفش بولی "صرف خوش کرنے کیلئے، اور پری دل سے

میں بھلا سچ کہاں بولتی ہوں!" اور بگڑ کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ افتخار ہنسنے لگے، اس کے

معطر بالوں کو دونوں ہاتھ میں بھر کر ان میں اپنا چہرہ ڈبوتے ہوئے بولے "اللہ ہی جانتا

ہے کہ میں نہیں جانتا، میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ واہ بھئی واہ! مذاق میں بھی خفا ہو

جاتی ہو۔ توبہ کرو!"

"توبہ آپ کیجئے! مذاق میں جی جلاتے ہیں۔"

افتخار نے اس کے بالوں کا انبار اس کے چہرے پر اچھال دیا۔ اور بچوں کی طرح سے

توبہ توبہ کرنے لگے، بنفش ہنس دی۔

"اچھا اب اجازت دو، سکینہ کے لئے دو تین فراکیں لایا تھا وہ اسے دے آؤں"

افتخار نے ہنستے ہوئے کہا "غریب بچی میرا انتظار کر رہی ہوگی، ہاں ۔ اچھا ۔ ٹھیک

یاد آیا۔ ایک بات پوچھوں؟"

"یا خدا! آپ آخر مجھے سمجھتے کیا ہیں" بنفش نے حیرت سے اپنے گال تھام لئے،

"ہر بات کہنے سے پہلے میری اجازت ضرور لیتے ہیں، کچھ بھی اعتبار نہیں مجھ پر"

"بنفش!" جذبات سے بوجھل آواز میں افتخار نے کہا

وہ مخمور نظروں سے انھیں دیکھنے لگی ؟۔ افتخار نے کہا۔

"بنفش! میں دنیا میں یکہ و تنہا، بے سر و سامان سا ایک عام آدمی ہوں۔ کوئی خوبی

مجھ میں ایسی نہیں کہ کوئی مجھے پسند کر سکے، تم حسین ہو، دلربا ہو، بہت پیاری ہو، آخر مجھ میں

کیا دیکھا ہے تم نے کہ مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"میں بھی کہیں کی ملکہ نہیں" جلبلا کر بنفش بولی "دولت مند نہیں، بے سر و سامان، بیکس،

دنیا میں تنہا ہوں۔ اور حسن کوئی دیرپا چیز نہیں، میں بھی آپ کو کچھ بھی نہیں دے سکتی، پھر آپ

میری محبّت کا دم کیوں بھرتے ہیں ؟"

"اس کا جواب میں کچھ نہیں دے سکتا بینش!"

"آپ کی بات کا بھی میں جواب کچھ نہیں دے سکتی افتخار صاحب!" دانت میں کر بینش اک بناؤٹی غصّے سے بولی" افتخار محظوظ ہو کر ہنس پڑے، بینش بھی ہنس دی، پھر اٹھتے اٹھتے انھوں نے بینش سے اکبار اور کہا

"جویریہ کو سمجھانا بیٹی! کسی ایسے خطرناک راستے پر قدم نہ رکھدے کہ پھر اُسے نہ منزل سکے اور وہ واپس بھی نہ ہو سکے، بھولنا نہیں، اگر تم مجھے منع نہ کرتیں تو میں اُسے خود سمجھاتا۔"

"مطمئن رہیئے وہ اپنی ساری باتیں مجھ سے کہدیتی ہے، میں اُسے سمجھادونگی۔"

"اب چلوں ؟"

"جائیے! خدا حافظ"

"تمہیں کچھ پیسوں وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے ؟"

"جب ہوگی تب لے لوں گی!"

"سنو کے ..... قریب جارہا ہوں۔ کل تک آؤں گا، کیا لاؤں تمہارے لئے ؟ قلاقند گلاب جامن، جلیبی، ساڑی، دوپٹہ، فروٹ ؟"

"صرف ایک بہت پیارے سے آدمی کو لیتے آئیے گا!" شرارت سے بینش سنجیدہ ہو کر بولی

"آدمی کو لیتا آؤں گا" افتخار نے بوکھلا کر کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو بھائی: کون سا آدمی کہاں ہے، نام کیا ہے تم نے تو میری جان ہی نکال لی!"

"بہت ہی پیارا آدمی ہے، اسے جلدی سے جلدی لے آئیے گا" بینش بولی "اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی"

"کیا نام ہے اس کم بخت کا ؟" برافروختہ ہو کر افتخار بولے "یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو، آدمی کو

لیتے آئیے! اس ناہنجار کو قتل کرتا نہ آؤں!"

"اچھا تو سنئے، اس کا نام ہے، افتخار احمد، کچھ لائیے یا نہ لائیے میرے لئے، مگر اُسے آپ جلدی سے لے آئیے!"

"اُف تمہاری شرارت" افتخار نے اس پر گھونسہ تان کر کہا "آئندہ ایسا مذاق نہ کرنا کیا میرا ہارٹ وارٹ فیل کراؤ گی!"

انھوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ وہ انھیں زبان دکھا کر بھاگ گئی، افتخار کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ واپس آگیا۔ ہنستے ہوئے چلے گئے

دن کے ڈھائی تین بجنے والے تھے، دوپہر کا وقت گاؤں کے گہرے سناٹے کا وقت ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد طاہرہ بیگم اور نجمہ آرام کرتیں، بچے مدرسے میں ہوتے، انصاری صاحب اور مراد صاحب دور مردانے کمرے میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر باتیں کرتے اور ایسے وقت میں پرویز کی بن آتی، جو پرویز ہمسائے کی لڑکی سے ایمبرائڈری سیکھ رہی تھی۔ وہ دو دو گھنٹے وہاں گذار دیتی قدرت محبت کے جوڑوں کیلئے آسانیاں فراہم کر دیتی تھی

ظہر کی نماز پڑھ کر بنیش باہر نکلی موسم بہت سہانا ہو گیا تھا۔ آسمان ابر آلود تھا۔ لطیف ہوائیں چل رہی تھیں، جھاڑ جھنکار اُجاڑ سے باغ میں ایک طرف پرانے چنبیلی کے منڈوے پر اچانک پھول کھلنے لگے تھے، انکی مہک بڑی جذبات خیز ہوتی تھی اور یہ خوشبو بنیش کو بہت پسند تھی۔ وہ نماز پڑھ کر نماز کا دوپٹہ سر سے لپیٹے ہی باغ میں چلی گئی تھی۔ سفید دوپٹے میں اس کا چہرہ اتنا پاکیزہ ہو رہا تھا کہ حوریں بھی رشک کریں، وہ نیم تلے آئی اور منڈوے کے پاس کھڑی ہو کر شاخوں پر کھلے باسی پھول اور موٹی موٹی کلیاں چن چن کر کے دامن میں بھرنے لگی۔ اس کے لبوں پر دلپذیر مسکراہٹ تھی اور افتخار سے بات چیت کا نشہ اس پر طاری تھا ان کے محبت بھرے فقروں کی بازگشت اس کے دل میں گدگدیاں کر رہی تھیں۔ ایک

سنہرا مستقبل اس کی آنکھوں کے سامنے رقصاں تھا۔ اس کا اپنا گھر بار ہو گا۔ افتخار جیسا محبت کرنے والا جان نچھاور کرنے والا شوہر اور پیارے پیارے تین چار بچے، بس ہر خوش قسمت عورت کا یہی تو نصیب ہے، سب سے بڑھ کر محبت کرنے والا شوہر عورت کی انتہائی خوش بختی ہوتا ہے، دولت کے انبار ہوں، ہیرے جواہرات کے انبار پہ متمکن ہو۔ مگر اس کا شوہر اس سے برگشتہ ہو تو وہ جھونپڑے میں رہنے والی اس فقیرن سے بھی بدتر ہے جس کا شوہر اُسے چاہتا ہو، محبت کرتا ہو۔

افتخار کی محبت پر اسے بھروسہ تھا۔ وہ جی جان سے اسے چاہتی تھی، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ انکی زندگی میں رچ بس جائے، ایک خوش رنگ امید پر وہ زندگی گذار رہی تھی، کبھی کبھار وہ بڑی اداس اور غمگین ہو جاتی۔ ماں باپ یاد آتے، بڑا مرحوم بھائی یاد آتا چاہنے والے چچا اور پھوپی کی یاد دل میں نشتر سے چلاتی، پچھلے دن کچوکے لگاتے، کیسا بھرا پُرا کنبہ تھا، ابا اتنے خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے کہ انکی باغ و بہار طبیعت گھر کو گلستاں بنائے رہتی تھی، امی بھی ایسی ہی تھیں، ہر دم ہنسنے مسکرانے اور خوش رہنے والی، کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آجائے دونوں ہراساں نہیں ہوتے تھے، ہر مصیبت اور دشواری کو ہنس کر جھیل لیتے تھے ابا کی کمائی معقول تھی، بھائی ائر فورس میں تھا ابھی اس کا تربیتی کورس تھا کہ وہ ایک تربیتی پرواز میں سینکڑوں میل کی بلندی سے چٹانوں پر گر کر پاش پاش ہو گیا۔ اس کے بعد گھر کی وہ صورت ہی نہ رہی، ابا کی کمر ٹوٹ گئی۔ امی کو بیٹے کا غم لے گیا، اور پھر ہرا بھرا چمن خوفناک خزاں کی نذر ہو گیا۔ بہنیں اور جو رہ گئی تھیں، ماں باپ بھائی کی قبروں پر سر ٹکرانے کیلئے اور آنسو بہانے کیلئے، ان کی حالت پر ترس کھا کر انھیں دور کی خالہ اپنے گھر لے گئیں، وہاں ان کا جی لگنے لگا تھا کہ وہ اچانک حج کرنے چل دیں۔ انکی خالہ انتہا کی چچی کی بہن تھیں، افتخار کا وہاں آنا جانا تھا انھیں دونوں بہنوں کے جانگداز غم کا احساس تھا

جب دونوں لڑکیوں کا کوئی سہارا نہ رہ گیا تو وہ انھیں اپنے گھر لے آئے تھے، ان کا وہ ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے روپیہ پیسہ جمع کر کے رکھا ہی نہ تھا، ہمیشہ ایک معقول رقم بینش کو دیتے تھے کہ ان لڑکیوں کے گذر بسر کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہ گیا تھا۔ افتخار نے پہلی بار بینش کو دیکھا اور اسے چاہنے لگے تھے، انکی خاموش محبت، محبّت بھرے سلوک اور شرافت کا کتنا گہرا اثر دونوں پر ہوا تھا۔ بینش جو انسانی شرافت، بلند کرداری اور اعلیٰ ظرفی کی پرستار تھی، وہ افتخار کو چاہنے لگی تھی، اس کی تعلیم زیادہ نہ تھی لیکن اتنی ہی سی تعلیم نے اسے عمدہ عمدہ سبق سکھائے تھے۔ صبر و شکر، خوش مزاجی، نیکدلی، ایثار و قربانی اور احسان مندی اسکی فطرت بن گئی تھی اگر اس کی شکل ہزاروں میں ایک تھی تو سیرت بھی سینکڑوں میں اپنی مثال آپ تھی۔

جویریہ اس کے برخلاف کھلنڈری اور زود رنج تھی وہ ہر کسی سے جلدی متاثر ہو جاتی تھی اس کی حسن پرست عادت عجیب تھی کہ اگر اس کی نظر کسی اچھے منظر یا پھول یا کسی شکل پر پڑتی تو وہ ایکدم مبہوت ہو کر رہ جاتی۔ وہ بہت محبت کرنے والی لڑکی تھی مگر ایک خاص عادت اس کی بہت تکلیف دہ تھی کہ اس میں ضد کا مادّہ بہت تھا۔ جس بات کی ضد کرتی بس اسی کی ہو کر رہ جاتی۔ ضد نے اُسے برے انجام سے دوچار کرا دیا لیکن وہ سمجھ نہ سکی۔

افتخار نے اُسے بہت سمجھایا کہ وہ اپنے مزاج میں کچھ نرمیاں پیدا کرے لیکن وہ اپنی عادت نہ چھوڑ پائی۔

بینش اپنے خیالوں میں گم کلیاں چن چن کر آنچل بھر رہی تھی اُسے خبر ہی نہ ہوئی کہ اناد کے جھنڈ میں چھپے کھڑے پرویز کی نگاہیں دیر سے اس کی نگراں تھیں انکی آنکھوں میں شوق فراواں کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں اور لبوں پر بے خبری کی گہری مسکراہٹ اب ان دونوں میں پردے کا تکلف نہ رہا تھا لیکن سب کے درمیان پرویز کو نظر بازی کا موقع نہیں ملتا تھا ان کا جی چاہتا تھا کہ

دل بھر کے بینش کے چہرے کی دید کریں۔ روز بروز اس کی طوفانی محبت کا دھارا تند اور
تیز ہوتا جا رہا تھا اور دل میں لاوے مچل رہے تھے۔ بینش کلیاں چنتے چنتے ان کے قریب
آ گئی اور جب وہ منڈیرے کے دوسری طرف پہونچی جہاں کلیاں شاخوں پر اٹی پڑی تھیں
تب اچانک ہاتھ بڑھا کر پرویز نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ بینش کے منہ سے ایک چیخ نکلی
آنچل ہاتھوں سے چھوٹا اور سارے پھول اور کلیاں سبزے پر بکھر گئیں اس نے خوف زدہ
نظریں اٹھا کر دیکھا اس کے چہرے سے صرف دو بالشت کے فاصلے پر پرویز کا متبسم چہرہ
تھا آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے، وہ ہاتھ جس میں بینش کی کلائی تھی، تپ رہا تھا
بینش سہم گئی، اس میں اتنی بھی جان نہ رہ گئی کہ وہ اُن کی مضبوط گرفت سے اپنی کلائی چھڑا
سکتی، اس کی نظروں کے سامنے ایک دھند سی چھا گئی تھی اور پرویز کا چہرہ اس دھند
ملفوف معلوم ہو رہا تھا۔

"بینش!" پرویز کی بھرائی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونج گئی "برا نہ ماننا! یہ
میری کب کی آرزو تھی کہ تم مجھے تنہائی میں ملو، اور میں اپنا دل سینے سے نکال کر تمہارے قدموں
میں ڈال دوں۔ بینش! تم بہت اچھی ہو، مجھے بہت پسند ہو، سچ کہتا ہوں جب میں نے
پہلی بار امی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا تمہیں، اور میری آہٹ پر تم نے مجھے ایک بار مڑ کے دیکھا
تھا تب ہی سے میرا دل تم نے میرے پہلو سے نکال لیا تھا، تب سے اب تک بینش! میں
تمہاری یاد تمہاری محبت اپنے دل سے نکال نہ سکا۔ ہر دم مسکراتا ہوا تمہارا حسین چہرہ میری نظر
میں رہتا ہے۔ تمہاری آواز کا دلکش اور دل نشین ترنم میری رگ رگ میں گونجتا رہتا ہے، تمہاری
ہر ہر ادا پر میں مرتا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری یہ محبت میرا کیا حال کرے گی۔ یہ طوفانی جوش
کہاں جا کر رکے گا۔ بینش! سہارا دو مجھے، حوصلہ بندھاؤ میرا، پذیرائی کرو میری محبت کی ورنہ تم
سچ مانو کہ اس خاموش آگ میں جلتے جلتے میں بھسم ہو جاؤں گا۔"

اس عرصے میں ہنیش نے اپنی ہمت کھڑی کرلی تھی، حوصلہ مضبوط کرلیا تھا۔ اس نے بڑی دکھائی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور نہایت خشک لہجے میں بولی،

"جو کچھ آپ نے کہا ہے میں نے سب سُن لیا۔ مگر سچ بتائیے کہ اسطرح چوری چھپے ملنا اور تنہائی میں ایسی باتیں کرنا کیا آپ کو بُرا نہیں لگتا؟ میں تو ان حرکتوں کو اچھا نہیں سمجھتی"۔

"مجبور ہوں ہنیش بہت مجبور ہوں"، پرویز نے دنیا بھر کی بے بسی، بے چارگی اور مظلومیت اپنے لہجے میں سمولی "تم تنہا کہیں ملتی نہیں، میں تمہارے پاس جا نہیں سکتا تم سے بات چیت کرنے کا کوئی اور ذریعہ میرے پاس ہے نہیں، بتاؤ پھر میں کیا کروں، جو تم کہوگی ہنیش! میں وہی کروں گا"۔

"آپ یہ سب کیوں کریں گے" ہنیش حیرت سے بولی "کیا ضرورت ہے کہ آپ مجھ سے باتیں کریں، تنہائی میں ملنے کے بہانے ڈھونڈیں، سچ کہیئے کیا آپکو ڈر نہیں لگتا۔ کسی نے اگر ہمیں اس طرح باتیں کرتے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا۔ شاید آپ کا کچھ بھی نہ بگڑے، لیکن میں پھر سب کو کیا منہ دکھاؤنگی"۔

"میں منہ دکھانے ہی کی تدبیر کرنا چاہتا ہوں"، پرویز نے بڑی دلیری سے جواب دیا "یہ چوری چوری کی ملاقاتیں مجھے بھی اچھی نہیں لگتیں، لیکن اب اس کی ضرورت نہ رہے گی میں جانے سے پہلے آج ہی کل میں ابا اور افتخار سے بات کروں گا کہ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدیں تمہارے بغیر میرے پاس زندگی گذارنے کا کوئی تصور ہی نہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر تم مجھے نہ ملوگی تو میرا حشر کیا ہوگا"۔

ہنیش سرد ہوگئی۔ اُسے پتہ ہی نہ تھا کہ پرویز ایک عملی قدم اٹھانے کا ارادہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم تھا کہ افتخار اپنی محبت کے اس مقام پر تھے کہ ہنیش کے بغیر انکی زندگی بھی محال تھی۔ وہ افتخار کو کسی بھی اقدام سے باز رکھ سکتی تھی۔

لیکن پرویز کو روکنا اسے دشوار نظر آرہا تھا، پھر بھی اُس نے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں"، اس کا لہجہ روکھا اور برہم تھا "آپ کے ابّا کا حکم ماننا میرا فرض نہیں ہیں ان کا کوئی حکم نہیں مانونگی اور نہ افتخار صاحب اپنی مرضی مجھ پر لاد سکتے ہیں۔ اپنے مستقبل کے بارے میں جو بھی سوچوں گی وہ میں ہی سوچونگی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بہت عرصے سے اکیلی رہی ہوں اور خود مختار ہوں، میں کسی کی مرضی کی پابند نہیں —— آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو میں چاہونگی وہی ہوگا۔"

"میرے والد کا فرمان تمہارے نزدیک قابل احترام نہیں ہے"، کچھ بگڑ کر پرویز نے کہا

"آپ کے والد ماجد کا فرمان خود آپ کیلئے قابل احترام نہیں ہے"

"میں نہیں سمجھا تمہاری بات ؟"

"انھوں نے آپ سے کہا تھا کہ انکے کام میں مدد دیجئے، آپ نے بوڑھے باپ کے حکم پر توجہ نہیں دی، اب وہ خود ہی بہی کھاتوں پر سر اپنا جھکائے ایک ایک بجے رات تک حساب کتاب کرتے رہتے ہیں، اور آپ آرام سے خرّاٹے لیتے ہیں۔ کچھ ترس آیا آپ کو اُن پر کبھی آپ نے سوچا کہ وہ جو اتنی دیدہ ریزی کرتے ہیں تو کس کے لئے ؟ آپ کے لئے۔ اپنے لئے تو شاید انھوں نے ایک کانی کوڑی بھی جوڑ کے نہ رکھی ہو، کل سے برابر اماں سے کہہ رہے ہیں کہ پرویز کو اس کے خرچ کیلئے دو ہزار روپئے دینے ہیں، خرچ کچھ کم کرو، تم دودھ کم لو، کپڑے خود سیو، ——

آپ کی فکر انکو اتنی ہے کبھی آپ نے بھی سوچا ہے کہ بوڑھا باپ کتنی دماغ سوزی اور کتنی محنت کرتا ہے۔"

"بمبئی میں تعلیم حاصل کر کے جب کسی قابل ہو جاؤں گا تو اپنے باپ کا سارا احسان جو انھوں نے مجھ پر کیا ہے انھیں واپس کر دوں گا۔ ان کا سرمایہ ایک قرض ہے

میرے لئے۔ لیکن جو میری زندگی کا سوال ہے وہ انکی محنت شفقت اور دماغ سوزی یا دیدہ ریزی سے نہیں ہے،، پرویز نے دھاندلی سے جواب دیا "اور بھئی! میری خوش گمانی یہ تھی کہ تم بھی انھیں اپنے باپ کے برابر سمجھتی ہو، لہذا اگر وہ تم سے کوئی فرمائش کریں گے تو تم ان کی بزرگی اور اپنی سعادت مندی کا تقاضا سمجھ کر قبول کر لوگی!،،

"یقیناً کرونگی، بینش بولی "لیکن اگر وہ میری نا مرضی سے مجھے کسی بات پر مجبور کر گئے تو میں یہ ضرور سوچوں گی کہ سوال صرف ان کے حکم و فرمان کا ہے یا میری خوشی کا بھی ہے"۔

پرویز دل ہی دل میں آگ بگولا ہو رہے تھے لیکن رسانیت سے پوچھا "ایک بات تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، سچ سچ جواب دینا!،،

بینش انکی طرف دیکھنے لگی، ایسی نگاہیں تھیں کہ پرویز کا دین و ایمان بگڑنے لگا ایسی خوبصورت آنکھیں جو کالی کالی لمبی لمبی پلکوں سے آراستہ تھیں، انھوں نے کہیں دیکھی ہی نہیں تھیں، جو پوچھنا چاہتے تھے بھول گئے اور جذبات انگیز آواز میں بولے

"بینش واقعی تم کتنی حسین ہو!،،

بینش نے پلکیں جھکالیں اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی "آپ کہئے تو ہی آپ کیا کہنے والے تھے؟،،

"بینش میں تمھیں بہت چاہتا ہوں، تمہاری یاد میری زندگی ہے، میرے سلوک سے کیا تم نے کوئی اندازہ نہیں لگایا۔ کیا تمہارے دل میں کوئی میری قدر و منزلت نہیں ہے کیا تم مجھے رتی بھر نہیں چاہتیں۔ میری محبت کی پذیرائی نہیں کر سکتیں تم؟،،

"پرویز صاحب!،، بینش نے ڈرتے ڈرتے کہا "محبت کوئی اختیاری جذبہ نہیں ہے نفرت اور محبت دل سے امنڈ آنے والے احساسات ہیں۔ کوئی مارے باندھے کا سودا تو نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تجارت ہے، آپ کی محبت ایک نعمت ہے میرے لئے، کیونکہ مجھ سے

محبت کرنے والے کم ہیں، بہت قدر کرتی ہوں میں آپ کی محبت کی۔ آپ سچ مچ بہت ہی اچھے ہیں، آپ سے ہر شخص محبت کر سکتا ہے۔"

پرویز نے ہنس کر کہا "شکریہ نیلی! تم بہت صاف گو۔ لیکن میں ہر شخص کی بات نہیں کر رہا تھا۔ میں تو صرف تمہارے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میری محبت تمہارے.... دل میں ہے تو تم میرے والد اور افتخار کی پرواہ مت کرو۔ میں تمہاری طرف ہاتھ بڑھا رہا ہوں، تھام لو اسے عمر بھر کیلئے۔"

"پرویز صاحب ایک بات میں بھی کہوں آپ سے"

"ہزار باتیں کہو، آج ہی تو میری مراد بھی بر آئی ہے، تم باتیں کرنا چاہتی ہو مجھ سے ورنہ میں تو ترستا رہتا تھا! اچھا تو یہاں کب تک کھڑی رہو گی چلو ادھر مالی کی کوٹھری میں بیٹھ کے اطمینان سے باتیں کریں"

"آپ کو معلوم نہیں میں کسی کے کچھ کہنے سننے سے بہت ڈرتی ہوں۔ اپنی نیکنامی مجھے بہت عزیز ہے، میں ایک راز کا انکشاف کروں گی اس کے بعد چلی جاؤں گی"

"راز؟ کیسا راز ہے؟ خدا کیلئے کوئی بھیانک بات نہ کہہ بیٹھنا"

"کیا آپ نے اندازہ نہیں لگایا کہ میری بہن آپ کو کس قدر چاہتی ہے۔ آپ کی دید اس کی عبادت ہے، آپ کا نام لے کے جیتی ہے، آپ کی خاطر تو اس صنم میں وہ اپنی مسرتوں کی جنت تلاش کرتی ہے اس کے سارے جذبوں کا مجھے علم ہے میں اس کی راز دار ہوں، اس کے دل کا حال مجھے معلوم ہے، اسے میں بہت چاہتی ہوں، ایک زمانے میں اس نے میرے لئے بہت ایثار کیا ہے اب کیا مجھ سے اتنی کمینگی اور کم ظرفی ممکن ہے کہ اس کے سارے جذبوں کو جانتے بوجھتے ہوئے میں اس کے ارمانوں پر خاک ہی ڈال دوں، اسے زندگی سے موت کی سمت پھیر دوں اس کی مسکراہٹوں کو آنسوؤں میں بھگو دوں۔

پرویز صاحب! کیا گوارا ہے آپکو ایک معصوم لڑکی کی موت، جیسی محبت آپ کو مجھ سے ہے ویسی ہی اُسے آپ سے ہے، اگر دل پر آپ کو اختیار نہیں ہے تو اُسے بھی نہیں ہے اور نہ مجھے اپنے دل پر اتنا اختیار ہے کہ اسے پتھر کر لوں اور اپنی بہن کو موت کے گھاٹ اتار دوں!"

پرویز کو یک لخت جویریہ پر غصہ آگیا۔ "میں جانتا ہوں اس لڑکی کی حماقت انگیز محبت اور یہ تمہارا کام ہے کہ تم اسے سمجھاؤ اور یقین دلادو کہ نامرضی کی نہ تو شادی ہی پنپ سکتی ہے اور نہ زبردستی کی محبت ہی کو استحکام مل سکتا ہے، سے لے وہ اپنی محبت واپس، مجھے اس سے محبت نہیں ہے"

"پرویز صاحب! یہی بات میں بھی تو کہہ سکتی ہوں، نہیں ہے مجھے آپ سے محبت!"
ہنیش کو بھی غصہ آگیا۔

"تو کیا تمہیں افتخار سے محبت ہے؟"

"مت لیجئے افتخار کا نام" ہنیش نے سرخ ہو کر کہا۔ ایک دھاردار نظر پرویز پر ڈالی اور انھیں عجیب سے گومگو کے عالم میں چھوڑ کے چلی گئی۔

"سب سمجھتا ہوں میں!" دانت پیس کر پرویز نے سوچا "اسی شخص پر یہ لٹو ہوئی جارہی ہے، جس دیہاتی تہمد پوش کے پاس چار پیسے کھنک رہے ہیں ——
یہ مجھے میرے باپ کی محنت کا طعنہ دے گئی ہے، میرے لئے ایک ایک بجے رات تک کاغذوں پر سر جھکائے رہتے ہیں۔ اور میں زیرِ تعلیم ہوں۔ بے روزگار ہوں۔ اچھی بات ہے، میرے دن بھی آئیں گے۔ دیکھ لوں گا ہنیش! تم نے میری محبت اور میرے جذبوں کو للکارا ہے، میری محبت کی توہین کی ہے، اب میری بے پناہ محبت تم سے نفرت اور انتقام میں بدل گئی ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔"

دھوپ تپنے لگی تھی، سورج سر پر آگیا تھا۔ موسم گرما کی ابتدا تھی اور سہ پہر کی زرد زرد دھوپ میں بھی اچھی خاصی تپش ہونے لگی تھی۔ جھاڑ جھنکاڑ سے باغ میں بیمار ہوائیں آہیں بھر رہی تھیں، ایک پیاسا کوا شکستہ فوارے کے ٹھنٹھ پر بیٹھا منھ کھولے ہانپ رہا تھا، پرویز کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ غصے کے مارے دل دھڑک رہا تھا، اور دماغ میں تند آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ دیر تک اسی جھنڈ کے پیچھے کھڑے رہے تھے۔

افتخار اپنے کسی کام کے سلسلے میں دو روز کیلئے گھر سے باہر تھے۔ انکی عدم موجودگی میں بنفشہ کو یوں لگتا تھا جیسے اس کے سر سے مضبوط چھت کا سایہ ہٹ گیا ہو ایک حصار منہدم ہوگیا ہو اور وہ لق و دق میدان میں کھڑی رہ گئی ہے افتخار کی خاموش محبت نے اسے ان کا گرویدہ اور والہ و شیدا کر رکھا تھا اور اب پرویز سے صاف اور کھری کھری باتیں کرنے کے بعد اس کے دل میں ایک سرد خوف منجمد ہوگیا تھا۔ ایک وہم ستا رہا تھا کہ آئندہ کوئی بُری بات ہوگی اور ضرور ہوگی۔ اب تو چوبیسوں گھنٹے پرویز کا ساتھ تھا حالانکہ وہ اوپری کمرے کی رہائش چھوڑ کر طاہرہ بیگم کے کمرے کی طرف آچکی تھی۔ لیکن اس تبدیلی سے بھی اس کا منشا پورا نہیں ہوتا۔ پرویز جو ہمیشہ نیم کے سائے تلے بیٹھے مطالعہ کی اداکاری کرتے تھے اب اپنے ماں باپ کے پاس ہی بیٹھے رہتے تھے جب بھی بنفشہ اپنے کمرے سے نکلتی ان کی عقابی نگاہیں اس پر لگ جاتیں۔ اس صورت حال سے پریشان ہو کر وہ چاہنے لگی کہ گھر سے چل دے۔ مگر کہاں۔ اس کا ٹھکانا ہی جیسے کہیں پر نہیں تھا۔

افتخار کی باتیں اس کے دل و دماغ میں گونج رہی تھیں انھوں نے تاکید کی تھی کہ وہ جویریہ کو سمجھائے کہ وہ پرویز کی محبت کے خبط سے ہاتھ دھوئے اور دوسری طرف پرویز کی بے رخی یاد آئی تھی انھوں نے جویریہ سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ

ڈرتی تھی، کیا انجام ہونے والا تھا اس کی ناسمجھ اور بے خبر بہن کہیں کوئی دھوکا نہ کھائے اس کی بے پایاں جذباتیت سے ہنیش خائف رہتی تھی۔

ایک دن جبکہ ہمیشہ کی طرح گھر میں سناٹا طاری تھا اور ہمیشہ ہی کی طرح جویریہ باورچی خانے میں کچھ پکانے میں مصروف تھی، ہنیش بھی اس کے پاس پہونچ گئی، ہنیش کو کچھ پکانے رنیدھنے سے دلچسپی نہ تھی، جویریہ نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا

"شکر قند کی کھیر کا لالچ اور زعفران اور کیوڑے کی خوشبو تمہیں کھینچ لائی ہے یہاں تک بیجی! اچھا چکھو تم بھی تھوڑا سا، نکالوں طشتری میں؟"

"کیوں پکا رہی ہو جویریہ! اتنی گرمی میں چولھے کے سامنے کھڑے ہو کر پکانا بھلا کون سا ضروری ہے؟"

"اے واہ!" جویریہ نے کچھ برا مان کر کہا "انجان بنتی ہو؟"

"ہاں! میں جانتی ہوں جویریہ!" بجز سنجیدگی سے ہنیش بولی "لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ تم ہر روز ایک نہ ایک خاص ڈش پکا کر اس شخص کے سامنے رکھ دو، جس سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ اپنی رسوائی اور انگشت نمائی کا خوف بھی تم بھول گئی ہو، کیا تمہیں اچھا لگے گا اگر میرا ہی سا سوال کوئی تم سے کرے گا۔ کیا جواب دوگی تم جویریہ؟ تم ایسی تو نہ تھیں، اب تم ایک اجنبی آدمی کی محبت میں اپنے آپ کو بھول چکی ہو اور کیا تمہیں علم ہے کہ خود کریدنر صاحب تمہاری یہ حرکت پسند کرتے ہوں گے! ان کی عادات و اطوار کے بارے میں تم کیا جانتی ہو! جویریہ میں تمہارا یہ جنون بالکل بھی پسند نہیں کرتی سمجھیں۔"

ہنیش کو احساس تھا کہ اس کی نصیحت جویریہ کو سخت ناگوار گزر رہی تھی مگر وہ کہے گئی، "یہ چند روزہ محبت پنپنے والی چیز نہیں۔ وہ صرف اپنی چھٹیاں گزارنے آئے ہیں یہاں،

تین چار دن بعد وہ چلے جائیں گے اور پھر شاید سال بھر نہ آئیں۔ تب کیا تم ان کے انتظار میں جان کو روگ لگاؤ گی! روؤ گی، بیمار ہو جاؤ گی، کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تم سے شادی کر ہی لیں گے ؟"

"بنی! ہر محبت کا انجام شادی نہیں ہوتا۔" ناخوشگوار انداز میں جویریہ بولی "بس ایک احساس ہے میرا جو مجھے مسرور رکھتا ہے، مجھے وہ آدمی بہت اچھا لگتا ہے اس کی محبت لمحہ بہ لمحہ میرے دل میں گھر کرتی جا رہی ہے اب میں اگر چاہوں بھی تو ان کا خیال انکی الفت دل سے نکال نہیں سکتی، اس لئے بنی خدا کیلئے اپنی سوکھی نصیحت اپنے پاس رکھو اور تم مجھے ناامید مت کرو۔"

"جویریہ! میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتی جس سے تمہاری دل شکنی ہو۔ لیکن یہ پیش گوئی یاد رکھو کہ دکھ غم اور جلن تمہارا نصیب بن کر رہ جائیں گے، پرویز کو تم سے محبت نہیں ہے جوہی! میں جانتی ہوں، وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے دل میں تمہاری محبت کا شائبہ بھی نہیں ہے، جویریہ! اب بھی کچھ نہیں گیا۔ خود کو سنبھالو۔ ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گی اس یکطرفہ محبت سے کچھ حاصل نہیں۔ اتنا تو سوچو کہ ابھی تک کسی کو تمہارے خبط کا کوئی علم نہیں ہے اگر علم ہو گیا تو سوچو کہ ان کے والدین، مراد چچا، آپا اور افتخار بھائی کیا سوچیں گے، تم کتنی سطحی اور دل پھینک لڑکی ہو۔ پھر کیا تم اپنی نظروں میں آپ ہی ذلیل نہ ہو گی ؟"

بنیش کے سارے لیکچر کے جواب میں جویریہ نے صرف اتنا کہا "کون ہے وہ لڑکی بنی! جو پرویز کی محبت اور چاہت کا مرکز ہے، بتاؤ مجھے، تمہیں کیسے پتہ چلا؟ کیسے جانتی ہو تم ؟"، اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا، چہرہ فق اور لب خشک۔

"معلوم ہو گیا ہے تبھی تو کہہ رہی ہوں"، بنیش بولی۔

"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"تمہیں نام نشان سے کیا سروکار؟" بنیش بولی "تم بس پرویز سے کنارہ کش ہو جاؤ" اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا "میں تمہاری بہن ہوں، میں نہیں چاہتی کہ ایک غیر کی محبت میں تم جان سے جاؤ۔ ارے پاگل وہ نخوڑے دل کا چکر ہے، اب تو وہ جا رہے ہیں۔ کیا تم ان کے پیچھے بھاگو گی!"

"میری کشش سچی ہوگی تو وہ خود بھاگے چلے آئیں گے" جویریہ جو سچ مچ پاگل ہو رہی تھی بڑے یقین سے بولی۔

"سنو جویریہ!" بنیش نے سنجیدگی سے کہا "یہ صرف میں ہی نہیں کہتی افتخار بھی یہی کہہ رہے تھے۔ تمہارا پرویز سے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا، انھیں بالکل گوارا نہیں اگر انھیں پتہ چل جائے گا کہ تم اس طرح روز روز کچھ نہ کچھ پیک کے انھیں ٹھنساتی بھی ہو تو افتخار بھائی تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے انھوں نے ہم پر ان گنت احسان کئے ہیں۔ ہمارے ہمدرد ہیں ہمارے خیر خواہ ہیں، انھیں ناراض کرنا اچھا نہیں ہے، انکی نظروں سے گر جانا تو بالکل اچھا نہیں، ہوش میں آجاؤ! جوہی خدا کیلئے ہوش میں آجاؤ، پرویز کو بھول جاؤ۔ میں نہیں سمجھتی کہ پرویز صاحب کوئی معقول آدمی ہیں۔"

"تمہیں ان سے کیا لینا ہے کیا دینا ہے؟" تیلی کے اندر جھانکتی ہوئی اور پھر پتیلی کو چولھے سے اتارتی ہوئی جویریہ بولی "یہ میرا معاملہ ہے، دل کا معاملہ ہے اور میں مجبور ہوں، کسی سے جان بوجھ کر محبت کرنا اور جب چاہنا محبت کو واپس لے لینا کوئی اختیاری بات نہیں ہے" اس کا لہجہ معاندانہ ہو گیا۔ "تم مجھے بیکار کی نصیحت کر رہی ہو کہ میں اپنی آرزو سے دستبردار ہو جاؤں۔ بنیا! فرض کرو کہ

ایسی ہی بات میں تم سے کہوں کہ افتخار بھائی کی یاد دل سے نکال دو، انکی محبت کو بھول جاؤ، ان سے کوئی واسطہ نہ رکھو تو کیا کہے گا تمہارا دل؟"

بینش حیران تھی، اس کی متحیرانہ نظریں جویریہ کے چہرے پر تھیں جو جذبوں کی فراوانی سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ چہرہ بینش کو ایک سگی بہن کا چہرہ نہیں لگا! پھر بھی اس نے محبت سے بھرپور لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"جویریہ! تم تو سچ مچ پاگل ہو رہی ہو! تمہیں احساس ہی نہیں رہ گیا کہ تم کیا کہہ رہی ہو! ارے میری جان! کیا پرویز اور افتخار کا بھی کوئی مقابلہ ہے، وہ ہمارے ہیں، غمگسار ہمدرد نیک مخلص اور خیر خواہ ہیں۔ یہ کوئی نہیں، نہ اپنے عزیز، نہ غم خوار نہ ہمدرد، یہ تو ایک شناسا اور آج ہیں، کل یہ بھی نہ رہیں گے، افتخار بھائی سے ہماری محبت جائز اور پاک ہے، ان سے ناپاک اور ناجائز، ان سے رابطہ استوار رکھنے میں رسوائی اور بدنامی کا اندیشہ ہے افتخار بھائی سے روابط میں ہمارا تحفظ اور ہماری پناہ ہے"۔

"ہماری خوشیاں ملیامیٹ کرنا چاہتی ہو تم!" اچانک جویریہ ہچکیاں لے لے کے رونے لگی: "خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی کرنا چاہتی ہو، آئندہ کے اندیشوں سے ڈراتی ہو مجھے، ناامید کر رہی ہو۔ آج تک تم میری بڑی بہن میری ماں کے برابر تھیں۔ آج تم میری دشمن ہو گئی ہو، تمہیں میری محبت کا علم ہے، تم اگر چاہو تو میری خاموش محبت کو زبان مل سکتی ہے، بینش! محبت بہت ظالم چیز ہوتی ہے، تم اگر میری خوشی چاہتی ہوتیں تو افتخار بھائی سے کہہ سکتی تھیں کہ پرویز صاحب سے کہیں وہ مجھے اپنا لیں، محروم محبت کی طرح موت کے حوالے نہ کریں، تم میری رازدار ہو، میرے دل کا حال جانتی ہو، پھر بھی تمہیں مجھ سے نہ ہمدردی ہے نہ محبت، میرے ارمان پورے کرنے کی بجائے تم اجاڑنے پر تلی ہوئی ہو، یہی ہے تمہاری محبت، معلوم ہو گیا مجھے" اس کی سسکیاں تیز اور ہچکیاں

گہری ہو گئیں۔ بینش دم بخود رہ گئی، دیر تک اس کے منھ سے آواز ہی نہیں نکلی اور پھر وہ اک شکست خوردہ سی آواز میں بولی۔

"اچھا جویریہ! تمہاری مرضی، جو مجھے سمجھانا تھا، میں نے سمجھا دیا۔ اب جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ داری صرف تم پر ہو گی" اس نے برہم ہو کر کہا "اور میں افتخار بھائی سے بے حیائی کی سفارش نہیں کر سکتی کہ وہ پرویز سے سفارش کریں۔ ایک اجنبی آدمی سے ایسی بات اپنی بہن کے بارے میں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ تم جب پرویز سے محبت کی راگنی الاپتی ہو تم خود ہی کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہیں اپنا لیں، وہ تو تم سے اتنی محبت کرتے ہیں نا کسی کی سفارش اور خوشامد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمہاری محبت کو پہچان پرویز خود ہی تم سے شادی کر لیں گے۔"

اس کے بعد بینش نے اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

اسی دوپہر کو بینش نے اتفاق سے انصاری صاحب طاہرہ بیگم اور پرویز کی باتیں سُن لیں۔ وہ اب طاہرہ بیگم کے کمرے کے پاس ہی رہتی تھی، بیچ میں ایک دروازہ تھا جس میں درازیں پڑی تھیں، بینش نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ دروازے کے اوپر دیوار میں کافی بڑی سی جالی لگی تھی۔ اُدھر کی باتیں بینش کے کمرے میں صاف صاف سنائی دیتی تھیں، بینش اپنے پلنگ پر لیٹی بہت کچھ سوچے جا رہی تھی، پرویز کا خوف اسے کھائے لیتا تھا، انکی فطرت سے وہ واقف ہو چکی تھی۔ اپنی محبت کی توہین پر وہ خاموش رہ جانے والے نہ تھے، پھر اپنی فکروں میں جویریہ کی فکر بھی شامل ہو گئی۔ اور اس کی پریشانی بڑھ گئی اسے کسی حال میں گوارا نہ تھا کہ جویریہ کی سی بھولی بھالی نا سمجھ لڑکی ایک آتشی جذبے میں راکھ ہو جائے، گوناگوں خیالوں کی آندھی اس کے دماغ میں چل رہی تھی اور آنکھوں کے سامنے رنگ برنگے لہریے ناچ رہے تھے، کنپٹیوں میں ہلکا ہلکا درد اُسے

بے چینی کرنے لگا تھا۔ دفعتاً اس نے برابر کے کمرے سے آتی ہوئی چند تیز آوازیں سُنیں اور ادھر متوجہ ہوگئی۔ پلنگ سے اٹھی اور پردہ سرکا کے دراز سے دوسرے کمرے میں جھانکنے اور باتیں سننے لگی۔ اپنا نام سُن کر وہ پوری طرح ادھر متوجہ ہوگئی تھی۔

دراز سے جو منظر دکھائی دیا وہ کسی سنگین اور سنجیدہ بیٹھک اور اہم گفتگو کی ترجمانی کر رہا تھا، انصاری صاحب سامنے ہی تھے ان کے پاس طاہرہ بیگم بیٹھی ہوئی تھیں اور نیچے دری پر رلوا سے ٹیک لگائے پرویز بیٹھے تھے، اُن کا چہرہ بینش کیلئے آئینہ بنا ہوا تھا، سرئی شلوار قمیص میں پرویز کا قد و قامت زیادہ پرکشش اور جاذب نظر معلوم ہو رہا تھا، چہرے کا تو کہنا ہی کیا، وہ بہت ہی خوبرو تھے، اور رنجیدگی نے ان کے مردانہ حسن میں ایک دل کشی اور دل فریبی پیدا کر دی تھی، کوئی بھی لڑکی ان سے متاثر ہو سکتی تھی، جو ریہ کا کوئی بھی قصور نہ تھا۔ پرویز کا چہرہ ہی پکار کر کہہ رہا تھا کہ اسے سراہا جائے اس سے محبت کی جائے۔

بینش نے ہمہ تن متوجہ ہو کر سُنا انصاری صاحب کہہ رہے تھے، ”تمہاری کسی عادت کا پتہ ہی چلتا، کچھ دنوں پہلے میرے سر تھے کہ شہر جاؤ گے! حالانکہ میں منع کر رہا تھا اور اب جبکہ میں کہہ رہا ہوں کہ تم کسی طرح اپنی تعلیم مکمل کر لو، تو تمہیں شادی کی سوجھی ہے، ان عبوری حالات میں آخر شادی کیسے ہو جائے گی۔ ابھی شادی دادی کی جلدی کیا ہے؟“

”شادی؟“ ایک سنسنی سی بینش کے جسم میں تیر گئی۔ اسے اچانک الہام ہوا کہ انکی شادی میں کوئی نہ کوئی راز ایسا پنہاں ہے جس کا تعلق بینش کی ذات سے بھی ہے۔“

”میاں! اسے ہتھیلی پہ سرسوں جمانا کہتے ہیں“ طاہرہ بیگم بولیں ”ابھی ہمیں یہاں آئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ بٹائی پر رقم ملے گی، تمہارے ابا کی پنشن چھ ماہ سے رُکی پڑی ہے۔ مانا کہ افتخار دولت مند ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ ہمیں بھی انتظام کرنا ہے بھلا یہ سب ہوگا کیسے؟“

"میں جاؤں گا تھر" پرویز نے درشت آواز میں جواب دیا۔ "ابا قناعت پسند ہیں جو کچھ ملتا ہے اسی پر بخیہ کیئے رہتے ہیں۔ مگر میں ابا کا ساد لی اللہ نہیں ہوں جس رُکی ہوئی پینشن جاری کراؤں گا اور یہ جو آپ کہتی ہیں کہ ہم افتخار جیسے پیسے والے نہیں تو میں پوچھتا ہوں، کیوں نہیں ہیں، کیا کھانا کسی سے مانگ کے کھا رہے ہیں، کسی کا ہم اترن پہن رہے ہیں اور گاؤں کی شادی میں لاکھ دو لاکھ کی ضرورت نہیں پڑتی، دس پانچ ہزار ہی میں کام نکل جاتا ہے۔"

"اچھا میں بات کروں گی افتخار سے، اگر انکی مرضی ہوئی تو پھر کہیں سے روپے پیسے کا بھی انتظام ہوگا۔" طاہرہ بیگم بولیں۔

"افتخار سے بات میں کرلوں گا۔ پہلے آپ دونوں راضی ہو جایئے!" پرویز نے کہا

"کیا ہمارا جی نہیں چاہتا کہ تمہارے سر سہرا دیکھیں" طاہرہ بیگم نے کہا یوں لگ رہا تھا جیسے شکست خوردہ ہو گئی ہوں،

"بہت ہی پیاری بچی ہے ہنیش" انصاری صاحب نے بم کا دھماکا کیا "آجائے ہمارے گھر تو اُجالا پھیل جائے۔"

"ہنیش!" طاہرہ بیگم ناخوشگوار لہجے میں بولیں۔ "کیا مطلب ہے ہنیش سے، اور جو میں نے آپکی بہن کو جواب دیدیا ہے کہ انکی بچی ہی میری بہو بنے گی، تو کیا مطلب ہے آپ کا آپا کے سامنے میری ناک نیچی ہو، انھیں صورت دکھانے کی جگہ نہ رہے، دو سال سے برابر ہم میں یہی باتیں ہوتی چلی آرہی ہیں، اب یکبارگی میں ان سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میرے صاحبزادے نے لڑکی پسند کرلی ہے اور آپا کی لڑکی کو انگوٹھا دکھا دیا ہے، مجھ سے ناممکن ہے بھائی ایسا کرنا۔"

"میں بھی پسند نہیں کرتا کہ میری اکلوتی بہن کو رنج پہونچے" انصاری صاحب نے کہا

"کئی بھائیوں کی ایک بہن ہے، بہت ناز و نعم میں پلی ہے، اس کا کیا حشر ہوگا۔ بھئی شرمندہ تو میں بھی ہوں گا۔"

"یہی تو جہالت ہے آپ لوگوں کی" ترقی پسند صاحبزادے نے ماں باپ کو جاہل بناتے ہوئے کہا "اولاد سے پوچھے بغیر ان کی تقدیر کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ انکی مرضی نامرضی کوئی چیز نہیں ہے، اولاد اگر سوچے تو ماں باپ کے دماغ سے، دیکھے سُنے تو ماں باپ کی آنکھوں سے، ماں باپ کے کانوں سے، میں اس اندھی چال کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا، میری بھی کوئی مرضی ہے، میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔ میں افتخار سے بات کروں گا۔ اگر وہ مان گئے تو آپ جلدی شادی کا سامان کیجئے!"

بینش کھڑے کھڑے پاتال میں گرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور دماغ چکرا کے رہ گیا۔ اسے پتہ نہ تھا کہ پرویز اس کے احساسات سے واقف ہو کر بھی اسے ایک جانور سمجھیں گے، اس کے محسوسات، جذبات، پسند ناپسند کی انھیں کوئی پرواہ نہ ہوگی، انھیں اس کی بیزاری اور جویریہ کی محبت کا بھی علم ہے اس کے باوجود پرویز کی ہٹ دھرمی اور دھاندلی کا یہ حال تھا کہ جیسے ان کی رائے اور انکی مرضی کے آگے بینش کی مرضی کوئی چیز ہی نہ تھی،

کچھ دیر بعد وہ سنبھلی تو اسے شدید غصہ آگیا۔ انکار ہزار بار انکار، اس نے مارے غصے کے کانپتے ہوئے سوچا اور دروازے کے پاس سے ہٹ کر مسہری پر آبیٹھی اس بھری دنیا میں اکیلی ہی خود کو سمجھ رہی تھی، نہ ماں باپ، نہ کوئی دوست، افتخار دس دن کیلئے کہیں چلے گئے تھے، بے بسی کے آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے، وہ دعا مانگنے لگی کہ افتخار جلد آئیں اور انصاری صاحب اپنے موقف پر ڈٹے رہیں۔ حالانکہ اس کی امید کم ہی تھی۔ دیر تک آنسو بہانے کے بعد جب اس کے دماغ پر منڈھی گہری دھند صاف

ہوئی تو وہ سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے، افتخار کی فطرت کا حال اسے معلوم تھا۔ اگر ان سے کوئی اپنی پسندیدہ چیز بھی مانگتا تو وہ دینے سے دریغ نہ کرتے، ایثار پسندی ان کا ایک مرض بن کر رہ گئی تھی، بنفشہ کو خوف تھا کہ کہیں پرویز کی دوستی میں افتخار اس سے دست کش نہ ہو جائیں، اس نوبت پر سوچتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہونے لگتی تھیں اور وہ صدق دل سے سوچنے لگتی تھی کہ اگر اس کے مقدر میں افتخار کا ساتھ نہیں ہے تو خدا اُسے موت دیدے، لیکن موت مانگنے سے کبھی نہیں آتی، پھر اس کی نظروں میں پیپل تلے کا کنواں پھرنے لگا اس کی تہہ کا پتہ نہ تھا اور جس میں ہمیشہ کالا کالا پانی بھرا رہتا تھا، صرف ذرا سی ہمت کی ضرورت تھی اس کے بعد وہ تہہ میں جا بیٹھے گی اس کنوئیں کے پاس نہ تو کوئی آتا تھا نہ اس کا پانی ہی استعمال ہوتا تھا کسی کو خبر تک نہ ہو سکے گی کہ بنفشہ پانی کی قبر میں سو رہی ہے۔

اپنی سوچوں میں وہ ڈوبتی اُبھرتی رہی، اور پھر یہ سُننے کی ضرورت نہ سمجھی کہ دروازے کے پیچھے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔

دفعتاً اس نے چوروں قدموں کی چاپ سُنی اور یکبارگی بھڑک اٹھی، چوری چوری جا رہی تھی کوئی چیز لئے اوپر، اس نے نفرت سے دانت پیسے، احمق لڑکی! آخر کس توقع پر ایک ظالم اور بے وفا کی خاطریں کیا کرتی تھی، اسے یکبارگی خوف سا لگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی جان پر بن جائے، پاگل اپنی آبرو گنوا بیٹھے اتنی اچھی کیوں ہو رہی تھی؛ اُسے علم تھا کہ اس نے پرویز کیلئے خوب صورت تکیہ کے غلاف کاڑھے تھے، چادر کے کونوں پر تار کشی کی تھی رومال بنائے تھے اور شاید اس سنگدل کو دے بھی آئی تھی ان سارے نذرانوں کی کوئی پذیرائی نہیں، وہ بیدرد، ظالم اُسے ٹھکرا کر بنفشہ کے حصول کے پیچھے بس دیوانہ ہوا جا رہا تھا ——

وہ کچھ سوچ کر باہر نکلی ! انصاری صاحب کہیں چلے گئے تھے، پرویز کا پتہ بھی نہ تھا معلوم نہیں کہ ان لوگوں میں فیصلہ کیا ہوا تھا۔ طاہرہ بیگم دالان میں بیٹھی کچھ سی رہی تھیں ان کے چہرے پر فکر اور حزن و ملال کے آثار دور سے دیکھ لئے تھے اسے دیکھ کر وہ بیدلی سے مسکرائیں اور بولیں۔

"آؤ بیٹی ! بیٹھو، کب سے اکیلی کمرے میں بیٹھی ہو، کچھ لکھنے پڑھنے سینے پرونے کا نہیں ہے؟"

بنفشہ ان کے پاس جا بیٹھی، انھوں نے غور سے اس کی شکل دیکھی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی طاہرہ بیگم پھر بولیں "کیا بات ہے بیٹی ! مجھ سے کہو۔ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتی ہو؟"

"خالہ اماں : وہی پریشانی ہے جو پریشانی آپ کو بھی لاحق ہو گئی ہے" بنفشہ نے کہہ دیا "آپ برا مانیں گی مگر آپ سے میں کہہ دینا چاہتی ہوں کہ ابھی ابھی پرویز صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے سب سن لیا ہے اور آپ یہ مانئے کہ میں انکی مرضی پر بھینٹ چڑھ جانے سے قطعی انکار کرتی ہوں"

"ارے وہ تو نگوڑا پاگل ہے" بھڑک کر طاہرہ بیگم نے کہا "نھائی کا بینگن موا، کسی ایک بات پر اسے قرار بھی ہے، یہی دیکھو کہ میری نند کی بچی سے اس کا رشتہ کب کا پکا ہے۔ مگر اس میں کیڑے نکال رہا ہے، میں تو یہی سوچ سوچ کے آدھی ہوئی جاتی ہوں کہ تعلیم پوری ہو جانے پر میری نند شادی پر اصرار کریں گی۔ معقول بات یہ ہے کہ لڑکی کو کب تک گھٹنے سے لگائے بیٹھی رہیں گی۔ بے چاری غریب ہیں۔ بیمار رہتی ہیں لڑکی بیاہ دیں تو سکھ کی سانس لیں۔ اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے صاحبزادے کے بھیجے میں کیڑے کلبلا رہے ہیں تو ذرا سوچو ان کا حال کیا ہو گا اور پھر کئی سال کی

لگی بندھی رسم کو توڑنا کوئی آسان بات ہے، پھر کہاں کے گا کچی کا رشتہ اور بدنامی کتنی آجائیگی لڑکی پر، کیا یہ ساری باتیں یہ نامراد نہیں سوچتا، بیٹی! تم ہی کیوں نہ اس کے منھ پر کہہ دو کہ تمہارے پیچھے نہ پڑے، تمہارا نام نہ لے۔"

"کہا تھا خالہ امّاں!" سرخ ہو کر بنفشہ بولی "مگر وہ تو جیسے ضد پر اتر آئے ہیں کوئی انتقام لینا چاہتے ہیں مجھ سے!"

"انتقام؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا "کیا کیا ہے تم نے کہ وہ انتقام لے گا"

"مجھے معلوم ہوتا تو آپ سے میں ضرور کہتی" بنفشہ بولی، پھر اس نے کچھ سوچا اور موقع غنیمت جان کر بولی "آپ شہر جا کر تو بیہ اور انکی امی کو یہاں کیوں نہیں لے آتیں"

"کیا کروں یہاں لا کے؟" وہ جلبلا گئیں "کیا کریں گی وہ بھی بڑی صابر شاکر عورت ہے اور بالکل بے زبان ہے، منھ سے کچھ نہ کہے گی۔ آہ کر کے رہ جائے گی۔ اور اس کی آہ کیا اس ناشاد کو بھونک کے نہ رکھدے گی"

"کیا آپ کا بس ان پر نہیں چلتا خالہ امّاں؟" بنفشہ بولی

"بیٹی! بچپن ہی سے وہ بڑا ضدّی ہے" انھوں نے کہا "جس کھلونے کیلئے بھی مچلا ہے، بس لے ہی کے دم لیا ہے، اب بھی اس کی ضد کا یہی حال ہے، نہ آگا ہی دیکھتا ہے اور نہ پیچھا۔ نہ اچھا سوچتا ہے نہ برا، بس اپنی بات پر اڑ کے رہ جاتا ہے۔"

غصّے کے مارے بنفشہ کا برا حال ہو گیا لیکن رسانیت سے بولی "انھیں سمجھائیے خالہ امّاں کہ جاندار انسان جسے خدا نے عقل دی ہے، جس کی بھی کوئی پسند اور مرضی ہے وہ کوئی کھلونا نہیں ہے کہ مچل گئے اور لے ہی کے دم لیا۔ پھر جب تک اُسے توڑ مروڑ کے پھینک نہ دیا، سکھ کی سانس نہ لی۔ خالہ امّاں یہ میں کہے دیتی ہوں کہ اگر انھوں نے اپنی ضد سے ہاتھ نہ اٹھایا تو پھر بڑا خون خرابہ ہو گا۔ میں چھرا بھونک کے مرجاؤں گی مگر وہ نہیں کروں گی

جو میری مرضی کے خلاف ہوگا۔"

"اے بیٹی! ایسی بھیانک باتیں نہ کرو!" وہ خائف ہوگئیں

"خالہ اماں! اگر آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ میرا راز اپنا راز سمجھیں گی تو میں ایک راز کی بات کہوں آپ سے؟" بینش نے کہا

"کہو میری بچی، میں تو عجیب سے مخمصے میں ہوں کہو شاید کوئی اچھی صورت نکل آئے۔"

"شرم آتی ہے مجھے کہتے ہوئے، مگر کہنا پڑ رہا ہے خالہ اماں میں بچپن ہی سے افتخار صاحب سے منگی ہوں،" بینش نے کہہ ہی دیا "انھوں نے بھی مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔ بس آپ سمجھ جائیے اور اب بتائیے کہ ان سے وعدہ کر کے میں کسی اور سے کیونکر ۔۔۔" وہ چپ ہوگئی۔

"ہاں میں اچھی طرح سمجھاؤں گی پرویز کو۔ کہوں گی کہ تم افتخار کی منگیتر ہو اس لئے وہ ایک دوست کی امانت پر بری نظر نہ ڈالے" انھوں نے کچھ مسرور ہو کر کہا۔

بینش سہم گئی، خدا جانے رقابت کا جذبہ پرویز کو خوفناک بدلے پر نہ اُبھار دے۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ افتخار پر کوئی آنچ آئے، وہ تو بے خبر تھے، بے خبری میں نقصان اٹھاتے یہ ساری رام کہانی بینش ان سے کہہ بھی نہ سکتی تھی، پھر کس طرح وہ اسے دیکھتے، تحیّر، تعجّب، شک و شبہ اور کیا کیا نہ ہوتا ان کی آنکھوں میں، جو بینش برداشت نہ کر سکتی۔

اس نے طاہرہ بیگم کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا "نہیں خالہ اماں! یہ بات کسی سے کہنے کی نہیں ہے، آپ نہیں سمجھتیں کہ جب کوئی ضد پر آجاتا ہے تو اس کی ضد ناکامی کی صورت میں خطرناک قدم اٹھانے سے بھی رک نہیں سکتی اور میں نہیں چاہتی کہ پرویز صاحب اور افتخار میں خدانخواستہ میری وجہ سے دشمنی کی بنیاد پڑ جائے، میں تو لڑکی ہوں، مجھ پر بات آئے گی تو سچ مانئے کہ میں برگد کے کنوئیں میں ڈوب کے مر جاؤں گی۔"

"اللہ نہ کرے بیٹی! حرام موت کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ بیٹی"، انھوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، "میں کسی طرح اسے سمجھاؤں گی اور ادھر افتخار میاں پر زور ڈالوں گی کہ جلدی سے تم سے شادی کرلیں۔ یہ جھگڑا خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

"خالہ امّاں! یہاں تو آپ کا ذاتی مکان ہے، پھر آپ نے کرائے کے کمرے کیوں لئے؟" بینش بولی۔

"بیٹی بات یہ ہے نا! کہ اب پرویز کے ابا کی پنشن پوری نہیں پڑتی"، انھوں نے سادگی سے بتایا۔ "ہم نے ڈھائی سو کرائے کے کمرے ہی لینا پسند کیا۔ ذاتی گھر میں تو کرایہ دار ہیں۔ وہ سات سو ماہانہ دیتے ہیں، بجلی پانی کے الگ سے، جو آمدنی کچھ زائد ہوتی ہے وہ بچی کے لئے الگ رکھ لیتے ہیں، کیا کریں، لڑکی ذات ہے آج کچھ ہے تو کل کچھ اور۔ دیکھتے ہی دیکھتے باز برابر ہو جائے گی۔ ہے کہ نہیں؟"

"سچ ہے خالہ امّاں!"

"وہاں کا کرایہ لگ بھگ آٹھ سو ملتا ہے، شیخ صاحب پانچ سو دیتے ہیں، افتخار میاں کو ڈھائی سو دیتے ہیں، جو بچتا ہے وہ جوڑتے ہیں بیٹی! آج کل تو سمجھتی ہو، گرانی اور مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، اس کے لئے چوڑیاں خریدی تھیں، دس ہزار کی آئی ہیں پھر ہاتھ جھاڑ کے بیٹھ رہے۔ میں تو اس کے لئے ایک ایک چیز خرید رہی ہوں، وقت پر کیا ہو کیا نہ ہو، کل کس نے دیکھا ہے، بیٹی سی لئے تو دانت سے پیسے پکڑتے ہیں، ورنہ ذاتی گھر رکھ کے کرائے کے گھر میں کیوں رہتے!"

بینش نے ایک سانس لی اور چپ رہی۔

کچھ دیر تک طاہرہ بیگم ادھر ادھر کی کہتی رہیں، پھر بینش اٹھ گئی۔ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ شدت سے افتخار کی یاد ستا رہی تھی نجانے کب صورت دکھائیں گے، ابھی

موجودگی میں ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہبنش کے ارد گرد سنگی حصار کھنچا ہو، باہر کی خشت باری اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اب افتخار اپنے کام سے گئے تھے اور وہ بے سہارا کسی لق و دق میدان میں کھڑی تھی سر پر سورج آگ برسا رہا تھا، پاؤں تلے انگارے بچھے تھے، رہ رہ کر اس کا دل دھڑک اٹھتا، کیا ہو گا اب؟ پرویز کے مستحکم لہجے سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ بپھرے ہوئے سمندر، فلک بوس پہاڑ اور جلتے صحرا پھلانگ کر ہبنش تک پہونچ ہی جائیں گے، جیسے ہبنش کوئی بے جان شے تھی اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق جینے کا اسے کچھ اختیار ہی نہ تھا، وہ یوں ہی پرویز سے گریزاں تھی، اب تو ان سے نفرت کرنے لگی تھی اُسے خود پسند، مغرور، اور حاکمانہ ذہنیت کے لوگوں سے ہمیشہ نفرت رہی تھی،

اس کا دماغ پریشان تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ جویریہ سے دل کھول کے باتیں کرے گی تاکہ روح پر رکھا ہوا بوجھ دور ہو جائے، مگر کمرے میں آئی تو گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز سنی، دوسری چھوٹی کوٹھری میں چھپا کون رو رہا تھا، سہم کر اس نے پکارا۔

"جویریہ! جویریہ! کہاں ہو جوہی؟"

آواز بند ہو گئی تو ہبنش ادھر لپکی، نیم تاریک کمرے میں ایک گوشے میں چھپی جویریہ دکھائی دی، دیوار سے سر ٹیک رکھا تھا۔ اور گالوں پر آبی لکیریں رواں تھیں، ہبنش اس کے پاس بیٹھ گئی اور حیرت اور خوف کے ملے جلے لہجے میں بولی

"جوہی: کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟ بولو جوہی! خدا کیلئے، کیا کسی نے کچھ کہہ دیا یا خدا، تمہاری تو آنکھیں سوج گئی ہیں، کب سے رو رہی ہو؟"

گلوگیر لہجے میں جویریہ بولی "جب سے تم خالہ اماں کی طرف گئی ہو"

"تو اس کا کیا؟ میں بالکل نہیں سمجھی" ہبنش حیران تھی

"تم سمجھو گی بھی نہیں، اتنی بھولی بھالی ہو تم" جویریہ جیسے پھنکارنے لگی تھی "میرے

گلے پر چھری چلا دو، میری محبت پر خاک ڈال دو، میری آرزوؤں کو اجاڑ دو، مجھے زندگی سے موت کی جانب پھیر دو اور پھر پوچھو کہ کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟"

بینش نے بے حد دکھ اور بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا وہ سمجھ گئی تھی کہ جویریہ نے کان لگا کر ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔ پھر اسے ذرا سا غصہ بھی آ گیا تھا۔ وہ یوں بھی جویریہ کی دیوانگی اور حد سے بڑھی ہوئی دلیری کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ بھی ناخوش گوار لہجے میں بولی۔

"اسے کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم، ارے تم کو تمہاری محبت مبارک ہو بھئی! میں اس میں ٹانگ اڑانے والی ہوتی کون ہوں، میں تو غیر ہوں، مجھے تمہارے برے بھلے سے سروکار کیا ہے اور بھئی یقین کرو کہ مجھے تمہاری تمناؤں کو اجاڑنے یا سنوارنے سے بھی دلچسپی نہیں ہے، میں تمہاری محبت پر ڈاکہ بھی نہیں ڈالی، کیونکہ میں خود ان سے محبت نہیں کرتی اور یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہارا خیال بالکل نہیں کرتے، مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہوں، کیا تم نے ہماری باتیں نہیں سنیں؟"

"مجھے تم سے شکایت ہے" گال پھلا کر جویریہ نے کہا

"کس بات کی شکایت؟"

"تم نے ان سے کہا نہیں کہ جویریہ تم پر فدا ہے"

بینش نے جویریہ کی بیباکی پر اسے حیرت سے دیکھا اور نفی میں سر ہلا کر بولی "ایسے سنگدل آدمی کے سامنے رونا اپنے نین کھونا ہے، وہ تمہارے غمخوار نہیں، تمہاری تیار کی ہوئی چیزیں کھاتے ہیں۔ تمہارے ہاتھ کی بنی چادر پر سوتے اور تکیے پر سر رکھتے ہیں۔ خوبصورت رومال استعمال کرتے ہیں کیا انھیں اتنا بھی سلیقہ نہیں کہ تمہاری محبت کو پہچان جائیں۔ میں ان سے محبت کی بھیک نہیں مانگ سکتی۔"

"تم نے خود سے نفرت دلا دی ہوتی" جویریہ بولی
"نفرت بھی پہچان ہی لینے والی چیز ہے" بنیش نے کہا "میں نے پرویز صاحب کی لن ترانی کی حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی۔"
"پھر تم سے شادی کی بات کیا تھی؟" جویریہ کی آنکھوں میں غصہ دہک اٹھا۔
"اپنے منھ سے کر لی تھی، میرا کیا بگاڑا تھا"۔
دفعتاً جویریہ پھر رونے لگی "بنی! میں تم ہی سے تو اپنے دل کی تمام باتیں کہہ دیتی ہوں، مجھے بے شرم، بے حیا نہ بناؤ، بس یہ سمجھو کہ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں مجھے پرویز بہت اچھے لگتے ہیں، ان کے بارے میں بہت سے خواب دیکھے ہیں میں نے اگر وہ میرے نہ ہو سکے تو میں کیسے جیونگی۔"
"ایسے سنگدل، بے وفا، بدرد انسان کی محبت میں اپنی زندگی کی بازی نہ لگاؤ جوبی! میں انکی فطرت سمجھتی ہوں، خود کو سنبھالو اور دوسرے مشاغل میں جی لگاؤ۔"
"کاش ایسا ہو سکتا!"
جویریہ پر نصیحت ملامت کا کوئی اثر ہی نہ تھا۔ بنیش اُسے پھر بھی سمجھاتی ہی رہی مگر وہ ایسی ٹھس بیٹھی رہی جیسے پتھر کی ہو۔
پھر بنیش بھی تھک گئی اس نے اپنا اور اس کا معاملہ حالات پر چھوڑ دیا۔ خدا سے صرف یہی دعا مانگتی رہی کہ پرویز سے اس کا پیچھا چھوٹ جائے۔
جب سے اس نے پرویز کی باتیں سُنی تھیں تبھی سے ان کے سامنے جانا آنا چھوڑ دیا تھا اب وہ کھانا بھی سب کے ساتھ نہیں کھاتی تھی، اپنی رکابی میں تھوڑے سے چاول لے کر اور اس پر شوربہ ڈال کر کمرے میں لے آتی تھی۔
افتخار کا ایک دوست ان کا چار سطری خط پہونچا گیا تھا کہ گنے کی فصل کٹ رہی تھی

اور ابھی شوگر مل کے منیجر وہاں پہنچے نہیں تھے۔ جب وہ پہنچیں گے اور گنے کی لادی لے کے چلے جائیں گے، افتخار تب ہی واپس آسکیں گے ورنہ پھر متوقع رقم جلدی نہ مل سکے گی، رقم کئی ہزار تھی، جو بہت ضروری تھی

بینش کا دل بیٹھ گیا۔ اب نہ اُسے دن کو قرار تھا نہ راتوں کو نیند، ساری ساری رات وہ جاگتی اور نمازیں پڑھ پڑھ کے اپنے اور جویریہ کے لئے دعائیں مانگتی تھی لیکن اس کے دل پر پرویز کی ایسی ہیبت تھی کہ اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا اُسے یقین نہ تھا۔ اب تو جویریہ اس سے خواہ مخواہ کھنچی کھنچی رہتی تھی اسے سارا قصور بینش ہی کا نظر آرہا تھا، بینش کو جویریہ کے سلوک کا بہت صدمہ تھا۔ مگر وہ اس کے راہ راست پر آنے کی منتظر تھی۔

جویریہ نے اپنا مشغلہ ترک نہ کیا۔ اس کی نظروں میں پرویز بے قصور تھے۔ چنانچہ اب بھی وہ ان کی خاطر مدارات میں لگی رہتی تھی۔ کبھی سال بھر اس نے کوکنگ کورس کیا تھا ہر طرح کے نمکین اور میٹھے کھانے اور مٹھائیاں بنانا جانتی تھی ایک سے ایک لذیذ چیز تیار کرتی اور اس طرح کہ کسی کو ہوا تک نہ لگنے پائے۔ پرویز کو دے آتی ایک دن جب کہ وہ بیچ علا دگڑھے ہوئے رومال، کروشیا کی عمدہ شال اور ساتھ میں کھوئے کی لوزیں پلاسٹک کی خوبصورت اور خوش رنگ باسکٹ میں رکھے سنسان دوپہر میں پرویز کے کمرے کی طرف جارہی تھی بینش خود کو روک نہ سکی وہ ٹین کے شیڈ کے آڑ میں کھڑی ہو گئی اور چھپ کے دونوں کی باتیں کان دھر کر سننے لگی۔

"میں نے تم کو کتنی بار منع کیا تھا جویریہ!" اس نے پرویز کی خشک آواز سنی اور پھر غصے میں دانت پیسے "تم بہت دلیر اور نڈر ہو، کسی سے خوفزدہ بھی نہیں ہو۔ نہ تمہیں اس بات کا خیال ہے کہ اگر کسی نے تمہیں ایسا کرتے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا؟ اور پھر آخر تم

بہانے میں کیا کہوگی؟

جویریہ جو انتہا سے زیادہ جذباتی تھی اور طرح طرح کی رومانی کتابیں پڑھ کر خوب منجھ گئی تھی علمی جواب میں بولی "جب سوہنی گھڑے پر بیٹھ کر چناب کو پار کر کے مہینوال سے ملنے جاتی تھی اور کسی کے دیکھے جانے کی پروا نہیں کرتی تھی تو میں کسی سے کیوں ڈروں وہی جذبہ تو مجھ میں بھی ہے افسوس یہ ہے کہ مہینوال شاید سوہنی کی پذیرائی کرتا ہو، میرے سلسلے میں ایسا نہیں ہے، مجھے بدلے میں رکھائی، نصیحت اور بیزاری ملتی ہے"۔

"سوہنی وغیرہ کا زمانہ گیا جویریہ!" پرویز نے کہا "جھوٹی سچی داستان کے سہارے اپنی اس غلطی کو مت دہراؤ، بس میں آخری بار یہ چیزیں لئے لیتا ہوں اس کے بعد اگر میں تمہارے تحفے واپس کر دوں تو برا مت ماننا!"

"اگر میری بجائے کوئی اور آپ کو یہ تحفے دیتا، تب؟" شک کا شعلہ جویریہ کے لہجے میں لرز رہا تھا۔

"کوئی اور؟ کیا مطلب؟" تُند اور تیز آواز میں پرویز نے پوچھا

"میں پوچھتی ہوں، کیا آپ کو صرف میرے ہی تحفوں سے نفرت ہے" کڑے لہجے میں جویریہ نے کہا "آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ تم میری محبت کے جواب میں محبت سے پیش آتے ہو، کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں کہ میں اپنی نسائیت کی اپنے ہاتھوں سے کتنی تذلیل کر رہی ہوں"۔

"اب محتاط ہو جاؤ، جویریہ محتاط ہو جاؤ!" جیسے سخت بیزار ہو کر پرویز نے کہا تھا "تم خود سوچو، جب میں تمہاری بندہ نوازی کی قدر نہیں کرتا۔ تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو تو پھر اپنی ذلیل کیوں کرتی ہو، نفرت کرو مجھ سے، پاس نہ آؤ میرے، صورت نہ دیکھو میری لعنت بھیجو مجھ پر! ——"

جویریہ اب سسکیاں لے رہی تھی " سچ کہو پرویز! کیا صرف مجھ ہی سے ایسی دل شکن باتیں کر رہے ہو یا ـ اگر ـ اگر بینش ہوتی میری بجائے تو اس سے بھی ایسی ہی باتیں کرتے اسی طرح دل دکھاتے اس کا بھی، اسی طرح رلاتے اُسے بھی؟"

"بینش ـــ !" پرویز نے کہا " ہاں اگر وہ گر سکتی اس طرح تو شاید میں اس سے بھی ایسی ہی باتیں کرتا اور تم یاد رکھو جویریہ! بینش ایک چیلنج بن چکی ہے میرے لئے!"

"کیا مطلب؟" جویریہ ہکا بکا ہو کر بولی۔

"سمجھ جاؤ گی مطلب بھی ـ اور اب خدا کیلئے تم جاؤ کہیں کوئی تمہیں یہاں دیکھ نہ لے"

"بزدل!" جویریہ کے منہ سے نکلا اور وہ ہوا کے جھکڑ کی طرح مڑ کر چلی گئی۔

مگر بینش اپنے بارے میں یہ بات سن کر دھک سے رہ گئی۔ چیلنج؟ کیوں بن گئی تھی وہ، چیلنج ـ کیا مطلب تھا اس پتھر دل آدمی کا، وہ دیر تک کانپتے قدموں پر بوجھ اپنا سنبھالے کھڑی رہی پھر واپس آئی تو لگ رہا تھا کہ جسم میں جان نہ تھی، سر میں دماغ نہ تھا صرف سینے میں دل تھا جو بے چین پرندے کی طرح سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ وہ کمرے میں آئی اور سر تھامے ہوئے فرش پر بیٹھ کر دیوار سے ٹیک لگا لی، شکست خوردہ جویریہ بستر پر سسکیاں بھرنے لگی تھی۔ مگر بینش کو اس کی پروا بھی نہیں تھی، اور چند لمحوں بعد وہ خود بھی رونے لگی۔

انصاری صاحب اور طاہرہ بیگم کو ایک فکر لاحق ہوگئی تھی۔ انھیں پتہ تھا کہ ان کے صاحبزادے کتنے خود سر واقع ہوئے ہیں۔ ان کی جارحانہ باتیں سن کر دونوں ہی دنگ رہ گئے تھے۔ چنانچہ ایک رات بہت ہی آہستہ سے انصاری صاحب سے طاہرہ بیگم نے کہا۔

"تمہاری کیا رائے ہے، شیخ صاحب کے خادم خاص کے ہاتھ فوری طلبی کا رقعہ بھیج کر صابرہ اور بھائی صاحب کو بلوا بھیجوں؟"

"صابرہ کو بلوا بھیجئے! بھائی صاحب آ کے کیا کریں گے؟"

"وہ ذرا سخت گیر ہیں، میری تو یہ نامعقول سُنتا نہیں۔"

"کسی کی نہیں سنے گا۔ ان بچاروں سے بھی بدتمیزی کرے گا۔ دل بُرا ہوگا۔ مگر یہ تم صابرہ کو آخر کیوں بلا رہے ہو؟"

"لڑکی کو لائیں اور کہہ سُن کر نکاح کر دیا جائے، مجھے بہت فکر ہے۔ کیا کر بیگی بیوہ غریب، ہمارے آسرے پر لڑکی لئے بیٹھی ہے اگر اس نے شادی سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا تو بہ کا حشر؟ کہاں سے آئے گا رشتہ غریب کا، چھان بین میں دیر لگے گی تب تک سولہ سترہ سے چھبیس ستائیس کی ہو جائے گی۔"

"ارے میری تو راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے،" طاہرہ بیگم بولیں پھر انھوں نے

آواز اور مدہم کرلی "تم نہیں جانتے نزہت کے ابّا۔ وہ مجھ سے کہہ چکی ہے کہ پرویز سے راضی نہیں ہے۔"

"واقعی!"

"ہاں! کہیں اور ماتی جاچکی ہے!"

"مجھے تو معلوم ہی نہیں ہے!" انصاری صاحب حیرت سے بولے

"تمہاری بے جانی تو بھی لڑکیاں ہیں" بیوی نے کہا "ان کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں؟"

"کس کی منگیتر ہے؟" انصاری صاحب لیٹے سے اٹھ بیٹھے۔ "نام نہیں بتایا اس نے۔ میں اس شریف لڑکے سے ملتا اور کہتا کہ جلد سے جلد اپنی امانت کو جائز کر کے لے جائے، اسے بھی سکون ہو اور ہمیں بھی، لڑکے کا نام پتہ کیا ہے؟ تم نے معلوم کیا ہے؟"

"نہیں، مگر مجھے معلوم ہے!"

"میں تو سمجھتی ہوں، ہو نہ ہو، افتخار میاں ہیں۔"

"تو پھر انھوں نے اب تک بینش سے شادی کیوں نہ کرلی؟"

"اب یہ میں کیا جانوں، نجانے ان کے اپنے معاملے کیا ہیں؟ میں کرید کرید کے کیا پوچھتی!" بیوی نے کہا "صرف ایک دفعہ انھوں نے کچھ ذکر کیا تھا کہ تھوڑی سی رقم اکھٹا کرنا چاہتے ہیں، زیور اور لباس خریدنا ہے۔ میں سمجھی کہ شاید یہ سب بینش ہی کے لئے ہے!"

"تم نے کیسے سمجھ لیا، ہو یہ بھی تو ہے۔" انصاری صاحب بولے "کیا ضروری کہ زیور اور کپڑے بینش ہی کیلئے خریدنا چاہتے ہوں اور پھر وہ تو ہمیشہ ہی لڑکیوں

کے لئے کچھ نہ کچھ خرید اکرتے ہیں۔ نہیں، بھئی دل کو نہیں لگتی یہ بات!"

"گئے کہاں ہیں؟"

"فصل کٹ رہی ہے"۔

"وہ تو میں جانتا ہوں، مگر کہاں، کس مقام پر؟"

"یہ میں کیا جانوں! کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ان سے مل کے کہنا کہ اگر واقعی وہ منیژہ کے بارے میں سنجیدہ ہیں تو جلدی سے دو بول پڑھوا کے ہمیں اس عذاب سے نجات دیں!"

"وہ تمہارے پایہ نہیں ہیں، بات نہ خراب کرنا۔ کہیں سوچنے نہ لگیں کہ ہمارے لڑکے نے انکی بہن پر میلی آنکھ ڈالی ہے، دوستوں میں دشمنی پڑ جائے گی اور جوانوں کی دشمنی ہو گی، خون خرابے تک نوبت پہونچ جائے گی پھر کیا خبر کہ انھوں نے شادی کے سامان کیلئے کیا سوچا ہے۔ ہمارے کہنے سے خالی خولی نکاح کرنے پر کیسے آمادہ ہو جائیں گے ______"

"بہت ٹھیک کہتی ہو" انصاری صاحب نے دور تک انجام سوچ کر جواب دیا "ان کی نظروں میں پرویز گر جائے گا۔ بات بنے گی نہیں، بگڑ ضرور جائے گی، بس میرے اختیار میں غریب صابرہ ہی ہے، اسی کو بلواتا ہوں، سر کے بل چلی آئے گی۔ ادھر عاق کرنے کی دھمکی دے کر تمہارے خرد ماغ صاحبزادے کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

"وہ تو خود ٹھہر جانے والا ہے" بیوی نے کہا "چار پانچ روز میں اس کی چھٹیاں ختم ہو جائیں گی"۔

"اب کل ہی سویرے منشی کو بھجواتا ہوں۔ خط میں لکھ دوں گا کہ منشی کے ساتھ ہی فوراً آجاؤ، جس طرح سے بھی ہو سکے"۔ انصاری صاحب نے پرویز کو ترنوالہ سمجھ کر کہا۔

"صابرہ تو جس حال میں ہوگی۔ بے شک چلی آئے گی۔ مگر یہاں آنے کے بعد مراد جی کا حال کیا ہوگا۔ یہ ابھی سے سوچ لو، وہ ہزار امیدیں لے کے آئے گی، یہاں ان میاں صاحب نے ٹکڑا توڑ کے پکڑا دیا تو ہم شرمندہ الگ ہونگے اور وہ بدنصیب الگ بتیس دانتوں کے بیچ میں آجائے گی۔"

"تو پھر آخر کیا کروں؟ دیوار سے ٹکرا کے سر پھوڑ ڈالوں؟" انصاری بولے

"میں تو کہتی ہوں، کہ اسے شہر جانے بجا دو۔" طاہرہ بیگم بولیں "یہاں خاص بھیجے میں بھر گیا ہے، وہاں جائے گا۔ پڑھائی میں لگ کے بھول بھال جائے گا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو مگر" انصاری صاحب نے ایک اندیشہ اور ظاہر کیا "فرض کرو کہ یہ نالائق نہ مانا اور اڑا رہا اپنی بات پر، میری دھمکی سے بھی مرعوب نہ ہوا تو پھر، کم سے کم یہ تو ہوگا کہ صابرہ اپنی لڑکی کا کوئی رشتہ منگا لیں گی، ہمارے ہی سہارے مزید منتظر نہ رہیں گی جو جواب سال بھر بعد بے حد شرمندگی سے دیا جائے گا۔ وہ جلدی ہی کیوں نہ دیدیا جائے۔"

"اور ایک غیر لڑکی کو بہو بنا لیا جائے۔" بیوی نے تیز ہو کر کہا،

"تم ہی تو کہتی ہو کہ وہ افتخار میاں کی منگیتر ہے، کیا یہ شخص اتنا ہی بے غیرت ہے کہ دوست کی منگیتر سے شادی کرے گا، ہاں سنو! کیا پرویز کو اس کا علم ہے کہ بینش افتخار کی منگیتر ہے۔"

"آپ سچ مچ اوپر اوپر منڈلاتے ہیں، گہرے اترتے ہی نہیں۔" بیوی نے طنزیہ کہا "اگر اس بات کا علم پرویز کو ہوتا تو وہ بینش سے شادی کی بات ہی کیوں کرتا۔"

"کرتے ہیں، بہت سے لوگ کرتے ہیں۔" انصاری صاحب آہ بھر کر بولے "جن کو اپنی دوستی کا پاس لحاظ نہیں ہوتا۔ جو بے غیرت بے حس ہوتے ہیں، ہوس جن کی آنکھوں پر بے شرمی کی پٹی باندھ دیتی ہے۔"

"اچھا تو لکھ دیجئے صابرہ کو، تو بہ کو دے کر فی الفور آئے"، بیوی نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی اور مدھم لالٹین کی مدھم روشنی میں انصاری صاحب اپنی بہن صابرہ کو خط لکھنے بیٹھ گئے۔

اتنے میں دروازے پر چپکے سے کسی نے پکارا "بھابی!"

"اے کون؟ نجمہ! کیا بات ہے آ جاؤ! دروازہ کھلا ہے"، طاہرہ بیگم نے کہا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ انصاری صاحب نے لالٹین کی لو اونچی کر دی نجمہ اندر آئیں ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"بھابی! جویریہ کو بہت تیز بخار چڑھا ہے"، نجمہ نے کہا "میں اور بنفشہ نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں مگر اثر ہی نہ ہوا۔ اب تو اس قدر تیز ہے کہ بار بار ہی میں اٹھ اٹھ کر بھاگ رہی ہے۔ دیکھئے چل کے!"

"ہاں اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ کیوں آ گیا بخار میرے اللہ!"، طاہرہ بیگم جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ انصاری صاحب نے بھی قلم کاغذ ایک طرف رکھتے، اور خود بھی کھڑے ہو گئے، پھر کلائی پر بندھی باوا آدم کے زمانے کی گھڑی دیکھتے ہوئے بولے۔

"سوا بارہ ہو رہے ہیں۔ اس قصبے میں اتنی رات گئے ڈاکٹر بھی کون ملے گا"۔

"دونوں نجمہ کے ساتھ بنفشہ کے کمرے میں پہنچے، وہ بہن کے سرہانے گم صم بیٹھی تھی ملگجے کپڑوں، بکھرے بالوں میں وہ اتنی ہوشربا ہو رہی تھی کہ اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی بھلا گوشت پوست کی ترتیب میں اتنا حسن کہاں سے ممکن ہے۔ چھلکتی ہوئی آنکھیں تھیں یا کوثر و تسنیم کے چھلکتے پیمانے!"

"کیا ہوا ہے اسے بیٹی!"، انصاری صاحب نے پوچھا اور جویریہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چونک پڑے "جلی جا رہی ہے بیچاری بچی! نجمہ، ذرا دیکھنا اگر برف رکھی ہو تو

ہوں تو انھیں یہاں لے آؤ۔ اس کی حالت دیکھ کر کوئی ڈاکٹر لائیں، ابھی تو صبح میں دیر ہے، خدا نہ کرے کچھ اور تیز نہ ہو جائے اس کا بخار!"

نجمہ چلی گئیں، پرویز کے نام پر بینش کا دل جو اپنی دھڑکنیں بھولنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ ان کی ہی بے رخی اور بے اعتنائی نے جویریہ کا یہ حشر کیا تھا۔ مگر کیا یہ بات وہ کسی سے کہہ بھی سکتی تھی؛ وہ اس کے سرہانے سے اٹھی اور دور کی کرسی پر اس طرح جا بیٹھی کہ اس کا چہرہ روشنی سے اندھیرے میں ہو گیا۔

جویریہ بستر پر پڑی تھی نہ جانے غافل تھی یا بیہوش۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ لبوں پر پپڑیاں بندھی تھیں، تیز تیز سانس لے رہی تھی، وہ بینش کی سی حسین نہ تھی لیکن خوبصورت اور جاذب نظر ضرور تھی، سب سے زیادہ دلکش اس کی پلکیں تھیں۔ لمبی لمبی، کالی کالی اور خمیدہ پلکیں۔ اس کے چہرے کا حسن اس کی پلکوں ہی میں تھا اور اب یہ خوشنما پلکیں ساکت تھیں، کچھ اور مسحور کن ہو رہی تھیں۔

طاہرہ بیگم نے اس کے پاس بیٹھ کر اسے آوازیں دیں، ٹھنڈے پانی میں ہاتھ بھگو کر اس کے چہرے کو پونچھا، مگر اسے خبر نہ ہوئی۔ بس ساکت و صامت وہ پڑی ہی رہی اپنے بستر پر۔

"اللہ خیر کرے"، وہ بولیں "یہ تو بے ہوش ہے۔" پھر انھوں نے بینش سے کہا "کیا ہوا ہے اسے بیٹی! دوپہر ہی سے چپ چپ سی تھی، نہ شام کی چائے پی ہے اور نہ رات کا کھانا کھایا ہے، کیا اس کا جی دیر سے خراب ہے؟"

"میں نے پوچھا تھا خالہ امی! لیکن اس نے کچھ بتایا ہی نہیں" بینش بولی "وہ بخار کی وجہ کیا بتاتی۔ نجمہ پرویز کو لے آئیں۔ انھوں نے ایک سرسری نظر جویریہ پر ڈالی اور بڑی ہی سرد مہری سے بولے "نجمہ باجی نے ڈاکٹر کے لئے کہا تھا۔ مگر میں تو یہاں

کے کسی ڈاکٹر کو نہیں جانتا۔"

"باہر نکلو، کوئی دروازہ کھٹکھٹاؤ!" بگڑ کے انصاری صاحب بولے "کوئی نہ کوئی گھر سے نکلے گا۔ اس سے پتہ پوچھ لینا ڈاکٹر کا، لڑکی کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔"

طوعاً و کرہاً پرویز نے باپ کا کہا مان لیا اور تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ایک ڈاکٹر کے ساتھ پلٹے، ڈاکٹر نے دیکھا بھالا، دوائیں دیں اور صبح کے قریب جویریہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر اس کے حواس ایسے منتشر تھے کہ وہ کسی کو پہچان نہیں رہی تھی۔ اور نہ بے ربط فقرے اس کے منہ سے نکل رہے تھے دوسروں کے لئے ان میں کوئی بھی معنی نہ تھے مگر بینش سب سمجھ رہی تھی۔ وہ پرویز اور بینش کے بارے میں بک رہی تھی اس کی وحشت زدہ سرخ سرخ آنکھیں سب پر بھٹک رہی تھیں۔

"اجنبی لوگ ہیں" وہ ہانپ رہی تھی "نہ جانے کیوں زندہ کا پرسہ دینے کیلئے آگئے ہیں، ان میں وہی نہیں ہے، میں اس سے انتقام لوں گی، داغ دے جاؤں گی اسے، عمر بھر یاد رکھے گا۔ کبھی اچھا نہ رہے گا، عمر بھر ترسے گا، تڑپے گا۔ اسے کبھی قرار نہ آئے گا دیکھ لینا، میں اسے فرشتہ سمجھتی رہی، وہ تو شیطان ہی نکلا۔ اور تم، تم بھی کبھی خوش نہ رہو گی ــــــــــــــــ"

"کیا کہہ رہی ہے؟" تعجب سے انصاری نے پوچھا

"دن بھر الٹی سیدھی کتابیں پڑھا کرتی ہے اسی کی بکواس کر رہی ہے" نجمہ نے کہا۔ مگر بینش کو پتہ تھا وہ بکواس نہیں کر رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر جویریہ کو جھنجھوڑ کر کے ہوشیار کیا وہ ہوش میں آئی اور بلک بلک کے رونے لگی۔

تین چار دن تک جویریہ سنبھل نہیں سکی اس کی تیمار داری میں دن رات ایک کر ڈالے۔ انصاری صاحب ڈاکٹر کے یہاں سے دوا لاتے رہے، طاہرہ بیگم اس کے

پاس ٹھہرتی تھیں۔ مگر ایک دفعہ کے بعد پرویز نے نہ تو کبھی اس کے کمرے میں قدم رکھا نہ جویریہ ہی کی خیریت پوچھی، بنفشہ کو تو انکی صورت و سیرت سے نفرت تھی اور اب تو ان کا نام سننا پسند نہیں کرتی تھی۔

اس نے جویریہ کو طعنہ دیا تھا،

"جان دیتی تھیں اس کم بخت پر، اور پکا پکا کے ٹھنساؤ اور چادریں غلاف رومال کاڑھ کاڑھ کے تحفہ دو، روپے پیسے سے مدد کرو، دیکھ لیا اس محبت کا انجام، ایک بار بھی نہیں جھانکا اس نے، پرواہی نہیں اُسے، تم زندہ بھی ہو کہ اس کے نام پر قربان ہوچکی ہو، میرے ساتھ اگر کوئی بھی ایسا برتاؤ کرتا تو قسم سے میں اسکی شکل پر نظر ڈالنا بھی گناہ جانتی تمہیں نصیحت کی تھی، مگر تمہاری تو آنکھیں بند تھیں کیا دیکھتیں، اب دیکھو، مرہی ہوا اس بے وفا کے نام پر۔"

جویریہ تو بولنا ہی بھول گئی تھی، مدھم آواز میں جواب دیا "میری محبت کی شان مرجانے میں ہے بہنی! تم کیا سمجھتی ہو کہ ان کا خیال میرے دل سے نکلا ہے؟ میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ انھوں نے کسی کی محبت کے جنون میں مجھ سے یہ بیوفائی کی ہے۔"

"ان کا جنون یکطرفہ ہے سمجھیں تم!" قہر آلود نظروں سے جویریہ کو گھورتی ہوئی بنفشہ بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں شروع ہی سے اس بدکردار بدمعاش سے نفرت کرتی ہوں۔ اگر اس پر بھی تم مجھے خواہ مخواہ کے دل شکن طعنے دینا چاہتی ہو تو شوق سے دو، آخر تمہاری جھینپ اور کھسیاہٹ کسی ایک پر تو نکلے۔"

"تمہیں میرا خیال ہوتا تو تم افتخار بھائی سے کہتیں اور وہ پرویز سے

کہتے۔" جویریہ اب بھی سچی بات ماننے کو تیار نہ تھی۔ وہ دھاندلی کئے ہی گئی۔

"تم سے تو میں نے ساری بات کہہ ہی دی تھی۔ پھر تم نے کیا کیا میرے لئے؟"

"افتخار بھائی کو کچھ نہ کہو، وہ جیسے فرشتہ خصلت ہیں، دوسروں کو بھی وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں"، بینش نے کہا "یہ بھی تمہارا الزام ہے کہ میں نے اُن سے تمہارے بارے میں نہیں کہا ہے، میں نے ان سے کہا تھا۔ انھوں نے اُلٹا تمہیں نصیحت کرنے کی تلقین کی کہ ایسے کالجی لڑکے محض دل بہلائی کے لئے محبت کا کھیل اکثر کھیلتے ہیں اور سنجیدہ قطعی نہیں ہوتے اور یہ بھی احمق بنانے میں ماہر ہیں، تم بننے میں ماہر ہو، یہ آج کل میں شہر چلے جائیں گے اور سب کچھ بھول کے بیٹھ جائیں گے اس کے علاوہ تم نہیں جانتیں کہ یہ اپنی پھوپی کی لڑکی کے منگیتر ہیں، اور وہ آج ہی کل میں چچا صاحب کے بلائے پر آ رہی ہیں۔ اب تم دیکھنا خبطن کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ اداکار صاحب سر پر سہرا سجا کے اپنی منگیتر کو بیاہ لائیں گے۔ اور انھیں احساس تک نہ ہوگا کہ وہ تمہارا نمک کھا چکے ہیں، تمہاری محنت اور دیدہ ریزی کو استعمال کر چکے ہیں۔"

"کیسے معلوم ہوا کہ ان کی منگیتر ــــــ"، جویریہ بھرائی آواز میں بولی

"مجھ سے خود خالہ اماں نے بتایا ہے۔" بینش بولی

"مگر وہ تو تم پر جان چھڑکتے ہیں"، زہریلے لہجے میں جویریہ بولی،

"اس کی ذمہ دار میں نہیں"، خشک انداز میں بینش نے کہا "اور یہ کتنی بری بات ہے کہ ہم ایک غیر آدمی کی نسبت اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ گھٹیا ہیں تم نے جو گھر چھوڑا ہے اس کی خبر کسی کو نہیں ہے اگر کسی بڑے کو بھنک بھی مل گئی کہ ہمارے درمیان ایک غیر آدمی بھی آ کھڑا ہوا ہے تو کیا ہوگا۔ پھر کوئی سوت

رہے گی سب کو دکھانے کیلئے ؟ جوہی اب بھی کچھ نہیں گیا۔ تم نے دیکھ لیا ہے
محبت کا انجام ! مرتے مرتے بچی ہو، اب دل سے سارے خیالات دُور کر دو۔ ایک
پاک بے غبار طرز حیات اپناؤ۔ اس یکطرفہ محبت سے حاصل کچھ نہیں ہے میری جوہی ! تم اگر
خدانخواستہ یہ روگ دل سے لگا کے جان سے جاؤ گی تو میں دنیا میں اکیلی ہو جاؤں گی'
اور اس سنگدل پر پھر بھی کوئی اثر نہ ہو گا۔ افتخار بھائی ٹھیک ہی کہتے ہیں، یہ دل بہلائی کا
ایک ناٹک ہے محبت نہیں ہے۔ اچھی طرح سوچ لو جوہی ! کہ اب تمہیں کس طرح سے
زندگی گذارنی ہے "

جویریہ نے کچھ نہ کہا منہ ڈھانپ کر لیٹ گئی۔

ہفتہ بھر وہ جسمانی طور پر تو اچھی ہو گئی۔ مگر اس کی روح بیمار ہو گئی تھی، وہ ہنسنا بولنا،
باتیں کرنا بھول گئی تھی، اب ایک مشین کی طرح کام کاج تو کرتی تھی۔ لیکن اس میں خلوص نہ ہوتا
زندگی ہی سے دلچسپی لینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ باورچی خانے کا کام نمٹا کے آتی اور اپنے
کمرے میں جا کے بیٹھ جاتی۔

تین چار دن پہلے انصاری صاحب کی بہن صابرہ بیگم ثوبیہ سمیت آ گئی تھیں۔ انھیں
دیکھ کر بینش کو بہت دکھ ہوا۔ عجیب سی اداس، مغموم اور دکھوں کی ماری عورت تھیں۔
انھیں دیکھ کر ترس آتا، چہرہ مرجھایا ہوا، لب خشک، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، ان کا
لباس بھی نہایت فرسودہ تھا، ململ کی زرد رنگ کی ساری، سفید ملگجا سا کرتا اور چاندی کے
نام کا بھی کوئی زیور بدن پر نہ تھا۔ انھیں شاید اپنی کسمپرسی اور کم مائیگی کا احساس تھا۔
کیونکہ وہ دوپہر سے کچھ پہلے آئی تھیں۔ پھر بھائی بھاوج سے چند باتیں کرنے کے بعد ہی
نل کے پاس ڈھیروں جھوٹے برتنوں کو مانجھنے اور دھونے لگی تھیں۔
بینش نے انھیں بار د پکڑ کے زبردستی وہاں سے اٹھایا تھا اُسے اُن پر بے حد ترس

آنے لگا تھا۔

"تمہارے کلیوں کے سے ہاتھ برتن مانجھنے کیلئے نہیں بنے ہیں بیٹی!" انھوں نے کہا تھا "میں تو گھر میں بھی کام کاج کرتی ہوں۔ تھوڑے سے برتن کھنگال لونگی تو بھلا کون سا حرج ہو گا؟"

"آپ مہمان ہیں" بینش انھیں دالان میں تخت پر بٹھا آئی "کام کاج کرنے نہیں آئیں، آپ آرام سے بیٹھ جائیے، باورچی خانے میں بھی نہ آئیے گا۔"

تو یہ سترہ اٹھارہ سال کی معصوم دوشیزہ تھی، قبول صورت، گندمی رنگ، چھریرا جسم، اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو دوسروں کو کشش کر سکتی، وہ صرف خوب سیرت تھی مگر سیرت کا پتہ تو بہت بعد کو چلتا ہے، پہلا اثر تو چہرے ہی کا ہوتا ہے۔ بینش کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کم سخن معمولی سی گھریلو کم تعلیم یافتہ لڑکی پرویز کی نگاہوں میں کبھی نہ سما سکے گی اُسے تو ڈھنگ سے بات چیت بھی کرنی نہ آتی تھی۔ بینش نے اُسے سہیلی بنا لیا تھا۔ مگر جویریہ نے اس بے خبر لڑکی سے بھی رقابت اور دشمنی باندھ رکھی تھی۔ اس سے ایک بات بھی نہ کی، عجیب حال تھا اس کا۔ جو شے پرویز سے وابستہ ہوتی وہ اس سے ناراض ہو جاتی۔ بینش نے پھر اسے کچھ سمجھایا بھی نہیں اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ جو کرے، سو بھرے۔

اسے افتخار کی بے حد فکر تھی۔ انھیں گھر سے گئے دس روز ہو چکے تھے، ان کا ایک خط ملا تھا، پھر کوئی خبر نہ آئی، کہاں تھے اور کون سی ایسی مصروفیت درپیش تھی وہ تو دو دن کیلئے گئے تھے، دو ہفتے لگا دئے تھے۔ بینش دن رات آہٹ پر کان لگائے رہتی، آواز سننے کی منتظر رہتی۔ مگر ان کا پتہ نہ تھا، اور کسی کو معلوم بھی نہ تھا کہ آخر وہ گئے کہاں تھے۔

عجیب بات یہ بھی تھی کہ پرویز جو شہر جانے کیلئے پر تول رہے تھے وہ بھی نہیں گئے تھے۔

ایک دن انصاری صاحب نے ان سے پوچھا تھا۔

"تمہارا کالج تو کھل گیا ہوگا۔ جانے کیوں نہیں ہو، تمہیں رقم کی ضرورت تھی۔ میں بینک سے لے آیا ہوں۔ ڈھائی ہزار ہیں، تین چار مہینے بعد اور بھیج دوں گا۔"

جواب میں پرویز نے خشک لہجے میں کہا "اماں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے خط لکھ کر اپنی بہن بھانجی کو بلایا ہے، کیا کام ہے؟"

"تم سے مطلب؟" انصاری صاحب نے بگڑ کر کہا، "میری بہن ہے بھانجی ہے میں نے بلایا ہے اس میں کیوں اور کیا کا سوال کیا، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ابا! میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اگر میری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ میری زندگی کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا تو اس سے میں بالکل بری الذمہ ہوں۔ میں آپ کی اور اماں کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ لیکن شادی بیاہ کے معاملے میں وہی ہوگا۔ جو میری مرضی ہوگی، ایک دفعہ اماں نے آپ کی بھتیجی کے بارے میں کہا تھا لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ وہ جاہل مطلق بدصورت لڑکی کسی طرح بھی میرے قابل نہیں ہے۔ اس کے لئے آپ مجھے مجبور نہ کیجئے گا۔"

"ایسی گھریلو لڑکیاں ہی اچھی گرہست بیوی بن سکتی ہیں" انصاری صاحب جو لڑائی جھگڑے والے آدمی نہ تھے، اور برجستہ گوئی کی صفت سے بھی محروم تھے، کمزور سی تاویل پیش کرتے ہوئے بولے "تمہیں کیا پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی کو کہیں پر دنیسر رکھنا ہے۔ نچانا ہے۔ اس لڑکی میں کیا خرابی ہے، تمہاری سگی پھوپی زاد بہن ہے چھ سات سال سے تمہیں منگی ہے، اس کا تو لحاظ کرو۔"

"نہیں ابا! اس سلسلے میں زیادہ بحث نہ کیجئے!" پرویز نے جواب دیا "نہ مجھے خوبصورت لڑکی کو پروفیسر بنانا ہے نہ اس کی نمائش کرنا ہے۔ میں تو صرف اپنے لئے ایک خوبصورت

لڑکی چاہتا ہوں۔ ساری زندگی میں ایک بدشکل جاہل لڑکی کے ساتھ گذارا نہیں کر سکتا"

"تمہاری ماں بھی تو گریجویٹ نہیں ہے نہ وہ حسن کے مقابلے میں اوّل آئی۔ ہے مگر بتاؤ ہو رہا ہے کہ نہیں"۔ انصاری صاحب کا جواب مضحکہ خیز تھا۔ پرویز کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خاصی گستاخی سے بولے۔

"کرلی آپ نے گذاری اور کیسے کی اس سے مجھے سروکار نہیں لیکن میں آپ کی بھانجی کے ساتھ گذر نہیں کر سکتا"۔

"چھ سات سال سے تمہارے نام پر بیٹھی ہے، اس کا کیا ہوگا" انصاری صاحب بولے اور دل ہی دل میں دعا مانگی کہ طاہرہ بیگم آجائیں تو وہ اس خودسر اور گستاخ سے اچھی طرح سے نبٹیں گے، مگر وہ نہیں آئیں، لہٰذا عورتوں سے سنی سنائی دلیلوں کا سہارا لے کر انھوں نے نسائی انداز ہی میں کہا "کیا لڑکی کی زندگی برباد نہیں ہو جائے گی۔ پرانی منگنی کا ٹوٹنا بھی بڑی بدنامی ہے، لڑکی ہی کو سب عیب لگاتے ہیں، پھر اس کا رشتہ کہاں سے آئے گا" طوطے کی طرح رٹے رٹائے فقرے انھوں نے دہرائے۔

"ان سب الجھنوں سے مجھے کیا واسطہ؟"، جھنجھلا کر پرویز نے کہا "اب کیا ایسے ویسے لوگوں کے بارے میں سوچ کر اپنی زندگی برباد کر لوں گا، میں ایسا ایثار پسند آدمی بھی نہیں ہوں، آپ ان سے کہہ دیں یا اماں کہہ دیں کہ میں کسی حال میں تو شبیہ سے شادی نہیں کر سکتا، وہ میرے نام پر بیٹھی نہ رہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ دس رشتے مل سکتے ہیں، میرا پیچھا چھوڑ دیں"۔

"تم اس خوبصورت لڑکی پر لٹو ہو رہے ہو"، بگڑ کر اور جل کر انصاری صاحب نے کہا "مگر تمہیں نہیں معلوم کہ وہ بھی افتخار کی منگیتر ہے، اور تمہاری ماں سے کہہ چکی ہے کہ وہ ان ہی کی ہو کر رہے گی! سمجھے؟"

"کیا۔ کیا مطلب"، جھلا کر پرویز بولے "آپ کو کیسے معلوم کہ وہ۔ افتخار کی منگیتر ہے کیا اسی نے کہا ہے؟"

"اور پھر ہمیں کیسے معلوم ہوتا"، انصاری صاحب نے اپنی دانست میں پرویز کے نشے کے لئے ترشی کا استعمال کیا تھا، کہ نشہ ہرن ہو جائے، مگر وہ تو اور گہرا ہو گیا تھا انھوں نے عجیب سے لہجے میں کہا "ہو جائے گا اس کا بھی کچھ انتظام، مجھے تو بیرہ کی بھلا پروا کیا ہے!" پھر کمرے سے جاتے جاتے بھیانک لہجے میں زیر لب بولے:۔

"اس بدتمیز لڑکی نے میری محبت کی توہین کی ہے کیا وہ میرے انتقام سے بچ سکے گی میں افتخار کو بھی دیکھ لوں گا؛"

ان دنوں مراد صاحب کی طبیعت بہت خراب تھی جو ڈاکٹر ایکبار جویریہ کو دیکھنے آیا تھا، اس نے مراد صاحب کو بھی دیکھا تھا۔ ان سے تو کچھ نہیں کہا مگر اکیلے میں انصاری صاحب سے کہا تھا "بس تھوڑے دن کے ہیں، انھیں بون کینسر ہے، ساری ہڈیاں دیمک لگی لکڑی کی طرح جوڑوں سے ٹوٹ گئی ہیں۔ ان کا بچنا ممکن نہیں، کوئی دوا علاج بھی کارگر نہیں ہو سکتا بس انھیں ان کے حال پر رہنے دیجئے!"

"کینسر کے مریضوں کا آپریشن بھی تو ہوتا ہے" خائف ہو کر انصاری صاحب بولے "اور وہ اچھے بھی ہو جاتے ہیں، ڈاکٹر صاحب آپ ان کا آپریشن کیوں نہ کر دیجئے!"

"جناب وہ انسانی ٹیومر ہوتے ہیں، کاٹ کر الگ کر دئے جاتے ہیں" ڈاکٹر صاحب نے کہا "ان صاحب کا آپریشن بھی ممکن نہیں ہے، جسم کی ساری ہڈیوں کا اسپار نکالنا کیا آسان کام ہے۔ اور آپریشن کے بعد بھی بچنے کا امکان نہیں ہے"

مراد صاحب اب چل پھر نہیں سکتے تھے، بستر پر پڑے رہتے یا پھر روتے رہتے، نجمہ انکی اکیلی تیمار دار تھیں۔ وہ باپ کے پاس بیٹھی رہتیں۔ انکی ساری خدمتیں ان کے ذمہ تھیں اس طرح نجمہ گھر بھر سے کٹ کر صرف نرس بن کر رہ گئیں۔

جویریہ زندگی سے بیزار تھی وہ اپنے کمرے سے باہر نکلتی ہی نہ تھی۔ اب وہ کوئی خاص ڈش پرویز کو بھیج نہ سکتی تھی۔ لہذا وہ باورچی خانے میں قدم بھی نہ رکھتی تھی۔ طاہرہ بیگم اور

صابرہ بیگم بھلا جوان لڑکیوں کے ہوتے کچن میں کیوں جاتیں۔ چنانچہ کبھی توبیہ کھانے پکاتی یا پھر بینش۔ اب تو وہ بھی خود سے بیزار تھی، اپنی زندگی کا کوئی مصرف اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ افتخار نے شاید اسی کی وجہ سے گھر سے راہ فرار اختیار کی تھی۔ ورنہ اتنی دیر انھوں نے کبھی نہیں لگائی تھی۔

اب گرمیوں کا موسم بھی ختم ہو رہا تھا، برسات کی آمد آمد تھی، دن بھر آسمان پر بادل چھائے رہتے، مہکتی ہوئی ہوائیں فراٹے بھرا کرتیں، موسم بہت سہانا ہو گیا تھا۔ مگر بینش کے دل میں آگ لگی رہتی، کبھی تو وہ سوچتی کہ گھر سے نکل بھاگے۔ یا پھر برگد کے کنوئیں میں جا گرے۔ بے مقصد جینا بھی کوئی جینا تھا۔

اس شام وہ بجھے دل سے چائے بنانے باورچی خانے میں آئی تھی۔ گھر بھر کے لئے چائے بنانا اس کے لئے دشوار کام تھا۔ مگر اسے چائے بنانا تھی، جویریہ اپنے کمرے میں تھی۔ توبیہ سو رہی تھی، بڑے لوگ مراد صاحب کے پاس تھے،

بینش نے بڑی سی کیتلی ٹرے میں رکھی۔ پیالیاں سجائیں اور پانی کے ابلنے کا انتظار کرنے لگی۔ دفعتاً اسے ایسا لگا کہ اس کے پیچھے کوئی آکے کھڑا ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھی کہ توبیہ اٹھ کر آگئی تھی۔ مگر اچانک سگریٹ کی مہک محسوس ہوئی، وہ سہم کر مڑی، اپنے سے صرف بالشت بھر کے فاصلے پر پرویز کو دیکھ کر وہ اس کبوتری کی طرح سکتے میں رہ گئی جس نے اپنے سامنے...... سانپ کو دیکھ لیا ہو۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا اور دل کو کڑا کر کے بولی:۔

"کیا بات ہے، آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

خوف و ہراس نے بینش کو مسحور کن بنا رکھا تھا، اس کی نشیلی، متوالی کالی کالی آنکھیں کسی کو بھی دیوانہ بنانے کے لئے کافی تھیں۔ کپکپاتے ہوئے خوش نما رنگین لب

دیکھ کر دل کو قابو میں رکھنا دشوار ثابت ہوتا تھا۔ اپنے فیروزی رنگ کے لباس میں وہ بہت حسین معلوم ہو رہی تھی، دو منٹوں تک اسے بےخود اور بےخبرانہ میں تکتے رہنے کے بعد پرویز نے ایک گہری سانس لی اور بھاری آواز میں بولے:۔

"پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے بنفشی، جان بوجھ کر مجھ سے گریزاں ہو، اب کیا تم یہ بھی چاہتی ہو کہ میں تمہارا نام لیکر دیوانوں کی طرح چیختا پھروں! تمہیں میری زندگی کی پہلی اور آخری آرزو کا پتہ ہے۔ پھر بھی تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ پہلے تو کچھ باتیں بھی کرتی تھیں مگر اب نجانے کیوں اتنی ظالم بن گئی ہو۔ کیا کرتا میں، دل سے مجبور ہو کے یہاں آیا ہوں تم سے پوچھنے کیلئے۔ ایسا سلوک مجھ سے کیوں روا رکھا ہے؟"

"آپ خدا کیلئے یہاں سے جائیے!" بنفشی نے برہم ہو کر کہا "ابھی کوئی یہاں پر آتا ہوگا۔ کیا کہے گا وہ، آپ مجھ سے اس طرح چھپ چھپ کے ملتے ہیں۔ آپ کا کیا بگڑے گا۔ میں بدنام ہو جاؤں گی تو زندہ بھی نہیں رہوں گی۔ یاد رکھئے گا!"

"کیوں بدنام ہو گی تم، میں تو ایک نیک نام اور پرمسرت زندگی کا تحفہ تم کو دینا چاہتا ہوں بنفشی! میں تمہارا گریز، تمہاری بےرخی سب کچھ بھول جاؤں گا۔ بس اتنا کہہ دو کہ تم میری ہو کہہ دو بنفشی! پھیر دو مجھے زندگی کی طرف موت کی جانب سے!"

بنفشی نے انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا اور مڑ کے ابلتا ہوا پانی کیتلی میں ڈالنے لگی۔

"اب بھی تمہیں انکار ہے؟" پرویز نے پوچھا

"مجھے اقرار کب تھا؟" بنفشی بولی

"کیا تم کو توبیہ اور جویریہ کی حق تلفی کا خیال ہے" پرویز نے پوچھا،

"مجھے صرف اپنا خیال ہے" بنفشی نے کہا اور ٹرے سنبھال کر کچن سے نکلتی ہوئی بولی

اپنی نیکنامی کا خیال ہے، اپنی لن ترانی اپنے پاس رکھیے، میری بھی کوئی پسند ہے، میری بھی کوئی مرضی ہے" یہ کہہ کر وہ صحن میں نکل گئی!

"بس!" پرویز نے دروازے کی طرف گھورتے ہوئے زیر لب کہا "فیصلے کا در اب بند ہو گیا، یہ خود سر اور مغرور لڑکی مجھے نہیں جانتی، ٹھیک ہے دیکھ لوں گا" وہ باورچی خانے سے نکلے تو مارے غصے کے ان کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا، ہنبش نے چائے کی ٹرے تخت پر رکھ دی اور کانپتے قدموں سے اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔ اب اس کے لبوں پر صرف یہی ایک دعا تھی، میرے خدا میرے افتخار کو جلدی سے بھیج دے! اس نے فرش پر اپنی پیشانی ٹیک دی۔ ابھی تک وہ پرویز سے خائف نہیں تھی۔ مگر اب بے حد خوفزدہ تھی۔ اس کا یہاں تھا ہی کون، اگر وہ کسی زیادتی پر اتر آئے تو اسے بچانے والا کون تھا۔ اس کی گھگھیاتی ہوئی نظریں آسمان پر لگ گئیں، مالک کونین اسے بچالے، اس کی بھوک پیاس بند تھی، وحشت سی سوار تھی، ماحول بھی عجیب سا تھا۔ اُدھر مراد صاحب اب اور تب پر آ گئے تھے، کمرے کے باہر دہلیز پر بیٹھی نجمہ رو رہی تھی، ان کے قدموں میں بیٹھی ننھی سارہ ماں کو روتے دیکھ کر خود بھی بلک رہی تھی۔ ——— ہنبش منتظر تھی کہ مراد صاحب نے اب ساتھ چھوڑا کہ تب چھوڑا۔

انصاری صاحب برآمدے میں ٹہل رہے تھے، دونوں بزرگ عورتیں سر جوڑے نجانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر وحشت منجمد تھی، شاید وہ بھی مراد صاحب کی وجہ سے پریشان تھیں۔

صحن میں نل کھولے تو بیہ کپڑے دھو رہی تھی اور جویریہ ساری دنیا سے خفا پرلی طرف کے برآمدے میں بیٹھی شفاف نیلے آسمان پر ابھرتے ہوئے چاند کو دیکھ رہی تھی اس نے چائے پینے سے بھی انکار کر دیا تھا، اب ہنبش سے وہ بولتی بھی نہ تھی۔

اس سے ناراض تھی کہ وہ اتنی حسین کیوں ہو گئی تھی کہ ہر ایک اس پر فدا ہو جاتا تھا
بینش خود بھی اس قدر پریشان تھی کہ اس نے جوریہ کو منانے سمجھانے کی ضرورت ہی
نہیں سمجھی تھی، وہ منتظر تھی کہ افتخار کے آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر کب آئیں گے
افتخار، از سر نو وہ پھر بیقرار ہونے لگتی۔ جوریہ کی خفگی کا اسے بہت احساس تھا وہ تو
پرویز سے خفا ہونے کی بجائے بینش سے ناراض تھی، بینش کو اپنا سہارا دینے کی بجائے
اس نے سہارا چھین لیا تھا۔

اداس شام لمحہ بہ لمحہ زیادہ اداس ہو رہی تھی، آسمان پر بادل چھانے لگے تھے جنھوں
نے دمکتی ہوئی چاندنی کو گدلا کر کے رکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ابر کا نقاب چاند کے چہرے
پر اس طرح پڑ گیا کہ ہر طرف اندھیرا اتر آیا۔ پھر ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ بینش نے کمرے
کی اکلوتی کھڑکی سے موسم کے تیور دیکھے اور حویلی کے پچھواڑے نکل آئی۔ ادھر ایک ویران
سا قطعہ تھا جہاں ایک طرف کسی نے آئندہ تعمیر کے ارادے سے بالشت بالشت بھر بنیادیں
کھڑی کر کے ادھوری چھوڑ دی تھیں۔ اس قطعے کی جانب کوئی آتا نہیں تھا۔ یہاں سے
دور کا منظر بہت اچھا لگتا تھا، وہاں کسی زمیندار کا سرسبز باغ تھا اور باغ کے پیچھے سے
ریلوے لائن گذرتی تھی، جہاں سے ہر ایک گھنٹے بعد ریلیں یا مال گاڑیاں گذرتی تھیں، بینش ہمیشہ
گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر بنیاد پر آبیٹھتی اور ریلوں کے گذرنے کا تماشا دیکھا کرتی تھی
یا باغ کی سرسبزی سے آنکھوں اور دل و دماغ کو فرحت بخشتی۔ مگر اس وقت وہ تفریح کے
خیال سے نہیں بیٹھی تھی بلکہ گھر کی سوگوار فضا سے گھبرا کر پناہ لینے نکل آئی تھی، اسے پھوار میں
بھیگنا اچھا لگ رہا تھا جیسے وہ پھوار اس کی روح پر برس رہی تھی اور اس کے بدن میں بھڑکتا
جہنم آہستہ آہستہ سرد ہو رہا تھا۔ گرد و پیش اندھیرا ہو رہا تھا اسے بیٹھے دس پندرہ منٹ
ہی ہوئے تھے کہ اس نے نیچے راستے پر کسی کو آتے دیکھا تھا اور اسے پہچاننے کے لئے

آنکھیں پھاڑنے لگی۔ کون تھا وہ راہگیر جو اسی طرف چلا آرہا تھا۔ وہ اندر بھاگنے ہی لگی تھی کہ یکبارگی بجلی چمکی اور ساتھ ہی بنیش کے لبوں سے ننھی سی پر مسرت چیخ بھی نکل گئی۔

"افتخار! آپ —" وہ بنیاد پر سے اتری اور تیر کی طرح بھاگتی ہوئی دھم سے افتخار کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"بنیش! بنیش!" افتخار بھی بھونچکا رہ گئے اور اس کے کندھے تھام لئے "یہ تم ہو اتنی گھبرائی ہوئی، کیا بات ہے، یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے اپنی، خیریت تو ہے" انھوں نے سوالوں کی بوچھار کردی۔ بنیش مچل کر الگ کھڑی ہوگئی۔ اور گال پھُلا کر بولی "خیریت ہو یا نہ ہو، کوئی مرے یا جیے، آپ کی بلا سے، اتنی جلدی کیوں آگئے، ابھی کچھ دنوں اور مجھ سے دُور رہنا تھا۔ جائیے میں آپ سے نہیں بولتی۔"

افتخار فرطِ مسرت سے ہنسنے لگے "اچھا نہ بولو، مگر میں جو کچھ بولوں گا۔ کیا وہ سنو گی بھی نہیں۔ آؤ۔ ادھر ٹوٹی بارہ دری میں چل کے بیٹھتے ہیں، جی بھر کے باتیں کریں گے۔ مجھ سے شکوہ بعد کو کرنا۔ پہلے دیکھو تو میں تمہارے لئے کیا کیا لے آیا ہوں"

"مگر وہاں تو اندھیرا ہے" بنیش بولی، اس کی دعا قبول ہوگئی تھی، اسے پناہ مل گئی تھی، اس کے سر پر مضبوط چھت پڑ گئی تھی۔ اس کے وجود کے گرد آہنی حصار کھنچ گیا تھا وہ بے حد خوش تھی، اس کا رُونگٹا رُونگٹا مسکرا رہا تھا۔

افتخار نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور جھاڑ جھنکاڑ سے گزرتے ہوئے بولے "پیار کی باتیں اندھیرے میں زیادہ شیریں معلوم ہوتی ہیں، تم چلو تو —"

بنیش بے وجہ کھلکھلا کر ہنسی اور افتخار کے ہاتھ میں ہاتھ دے بارہ دری میں پہنچ گئی، افتخار اُسے پہلو میں لئے پتھر کی ایک سل پر بیٹھ گئے یہاں خفیف سی روشنی باقی تھی۔ اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے افسوس سے بولے۔

"کیا تم کچھ پریشان تھیں بینش! تمہاری آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں کیا بات ہے؟"

"ارے آپ، وہ دن کے لئے گئے تھے،" بینش بولی "مگر دو ہفتے لگا دئے، کیا یہ بات پریشانی کی نہیں ہے؟"

"تمہاری ہی خاطر تو رک گیا تھا،" افتخار نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور محبت پاش لہجے میں بولے "اب کی فصل خریدنے والے دیر کر کے آئے، مگر درست آئے کہ فصل کی قیمت توقع سے زیادہ ملی، پھر میں قصبے سے ہی ملکاج گیری چلا گیا۔ ایک صاحب نے نشان دہی کی تھی کہ وہاں زیور بہت عمدہ ملتے ہیں، بس میں نے تمہارے لئے یہ کنگن، گلوبند اور انگوٹھیاں خریدلیں۔ دیکھو تو تمہیں بھی پسند آتی ہیں کہ نہیں،" انھوں نے اپنے بیگ سے چند سرخ اور سنہرے کیس نکالے اور ایک ایک کھول کے اس کی گود میں رکھ دئے، مدھم سے اجالے میں زیور چمکنے لگے، کیس بند کر کے اور انھیں تلے اوپر رکھ کر کے بینش نے اپنے سینے سے لگا لئے۔

"یہ تو اصل ہیں!" وہ فرط احساس سے گلوگیر آواز میں بولی "اگر آپ نقلی بھی لاتے تو میں سر آنکھوں پر رکھتی۔ اللہ! میں بہت خوش نصیب ہوں۔ مجھے آپ کی محبت ملی ہے زندگی ملی ہے، سچ مانئے کہ آپ نے واپسی میں جو اتنی دیر لگا دی تو جانے کیسے کیسے وہم مجھے پریشان کرتے تھے، اللہ جانتا ہے کہ نہ مجھے دن کو چین تھا نہ راتوں کو نیند، ہر پل ہر دم یہی دعا مانگتی تھی کہ میرے پروردگار میرے مالک کو میرے پاس جلدی سے جلدی بھیج دے اور آج تو میں اللہ میاں کے سامنے خوب روئی تھی۔"

"اچھا!" ہلکا سا قہقہہ لگا کر افتخار نے اُسے اپنے بازو کے حلقے میں سمیٹ لیا اور شوخ لہجے میں پوچھا۔ "پھر کیا کہا اللہ میاں نے، آنسو پونچھے تمہارے؟"

"میرے اللہ میاں بے حد پیارے ہیں،" بینش بولی "انھوں نے آپ کو میرے

پاس بھیج دیا، آنسو پونچھ دئے۔"

"بینی؟" انھوں نے اس کے بالوں میں ہونٹ چھپا کر سرگوشی کی

"ہوں!" وہ بھی گنگنائی

"ایک بات پوچھوں؟"

"مجھے معلوم ہے جو آپ پوچھنا چاہتے ہیں!"

"تو پھر جواب دو!"

"جواب بہت ضروری ہے کیا؟"

"ہاں! دل کی تسلّی کے لئے! اپنی خوشی کے لئے، جینے کیلئے!"

"الفاظ زبان سے نکلتے ہیں اور اپنی قدر کھو بیٹھتے ہیں"، بینش سرگوشیوں میں بولی آپ میری آنکھوں میں دیکھئے، کس کی محبت کے چراغ روشن ہیں۔ میری دھڑکنوں میں سنئے کس کا نام وہاں گونج رہا ہے، میری زندگی میں جھانکئے، کس کے لئے جی رہی ہوں، میری ساری تمنائیں ______"

"بس کرو بینی! بس کرو" افتخار نے جذبوں سے مغلوب ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور مدھم لہجے میں بولے "کہیں ایسا نہ ہو کہ خوشیوں کی زیادتی سے میری سانسیں رک جائیں، میرا دل تھم جائے، مجھے شادی مرگ ہو جائے، بینی! میری بینی خوش نصیب تم نہیں ہو میں ہوں۔ مجھے ایسی چاہنے والی ذات ملی ہے، اب میری تنہائی نغمہ بار محفل میں بدل گئی ہے۔ میں اب اکیلا نہیں ہوں۔ تم بھی ہو میرے ساتھ۔ میرے سارے دکھ ختم ہو گئے۔ اب تو مجھے میری نظر لگی جا رہی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ اتنی ساری مسرتیں میں برداشت کر بھی سکوں گا کہ نہیں۔ مر جاؤں گا خوشی کے مارے۔"

"ہاں:" بینش نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا "ایسا نہیں کہتے جی! مریں آپ کے

دشمن، آپ کو تو میری عمر لگ جائے۔"

برآمدے سے باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، بجلیاں چمک رہی تھیں اور بادل گرج رہے تھے، مگر وارفتگان محبت کو عناصر کے غیظ و غضب کا احساس ہی نہ تھا۔ گہری تاریکی میں مدغم وہ ایک دوسرے کے پاس بیٹھے نجانے کہاں کہاں کی باتیں کئے جارہے تھے، جن میں کوئی ربط نہ تھا کوئی تسلسل نہ تھا۔ مگر وہ محبت کے دیوانوں کی باتیں تھیں اور اچھی لگ رہی تھیں۔

دفعتاً بجلی اتنی زور سے کڑکی، جیسے پاس ہی گری ہو، ہنبش کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ افتخار بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ باہر بڑھا کر پانی کی رفتار کا اندازہ کیا، پھر بولے "چلو اب گھر چلیں، راستے میں پانی ہوگا، کیچڑ ہوگی، میں تمہیں گود میں اٹھا لوں؟"

"بس!" وہ غرائی "چلئے چپ چاپ!"

اور دونوں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے، بارش کا زور کم ہو گیا۔

مراد صاحب کو ٹھیک ٹھاک دیکھ کر سب کمرے سے باہر آبیٹھے تھے، سب نے کم اور پرویز نے بڑی حیرت سے انھیں دیکھا تھا کہ بھیگے بھیگے سامنے سے چلے آئے تھے، شک کا سنپولیہ یکبارگی اژدہا بن گیا اور ان کے سینے پر لوٹنے لگا انھیں افتخار سے سخت حسد اور نفرت محسوس ہوئی، اگر یہ راہ کا ہمالیہ ہٹ جائے تو پھر ہنبش انکی تھی ایک بجلی سی ان کے ذہن میں چمکی اور ذہن میں منجمد ہو گئی۔

"ارے میاں! کہاں رہ گئے تھے؟" افتخار سے انصاری صاحب نے پوچھا "اتنے دنوں بعد آئے ہو، ہم سب بہت پریشان تھے، ان سے ملو یہ ہماری چھوٹی بہن اور وہ بھتیجی توبیہ ہے،" انصاری صاحب نے صابرہ بیگم اور توبیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہفتہ بھر پہلے آئی ہیں۔"

تو بیہ تو سر جھکا کر رہ گئی۔ مگر انتخاب نے صابرہ بیگم کو سلام کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ہبنش اپنے آنچل میں کیس چھپائے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔۔۔
حسب دستور جویریہ الگ تھلگ ایک کین چیر پر بیٹھی کسی کتاب کے صفحوں پر بے مقصد نظریں دوڑا رہی تھی، اس نے ہبنش سے نہیں پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہی تھی کنکھیوں سے اُسے سوٹ کیس میں چھپاتے دیکھتی رہی پھر جب ہبنش کپڑے بدل کر مراد صاحب کو دیکھنے گئی تب جویریہ نے کیس نکال کے دیکھے، ان میں قیمتی اور خوشنما زیوروں کو دیکھ کر جل اٹھی ایک غیر شخص کی محبت نے حقیقی بہن کی محبت کی گہری جڑیں اکھاڑ پھینکی تھیں، اب ہبنش سے اُسے نفرت تھی۔ حالانکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ ہبنش کو پرویز سے کوئی لگاؤ بھی نہیں تھا بلکہ وہ تو ان کے نام سے بھی چڑھتی تھی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ اسے غصہ ہبنش ہی پر تھا، وہ آخر اتنی حسین کیوں تھی کہ پرویز کو اس پر لٹو ہونے کا موقع ملا۔ اور یہ زیور دیکھ کر تو وہ جل ہی اٹھی، اسے کسی نے اتنے قیمتی تحفے کبھی نہیں دئے تھے،

مراد صاحب کے پاس بیٹھ کر ہبنش کو بڑے تحفظ کا احساس ہوا۔ وہ بزرگ آدمی تھے ایک زمانے میں وہ بھی ان سے خفا تھے۔ مگر ابھی خستگی ہبنش کسبول چکی تھی۔

"آپ کیسے ہیں مراد چچا!" اس نے ان سے پوچھا۔ جواب میں بڑے میاں کراہنے لگے اور رک رک کر بولے "کیا پوچھتی ہو بیٹی! دعا مانگو کہ بدنصیب مراد چچا کی مٹی خدا عزیز کرے۔ جب زندگی مجھ سے روٹھ چکی ہے تو پھر موت کیوں نہیں آجاتی، دیکھ رہی ہو بیٹی کیا حالت ہے اب تو میں کروٹ تک بدل نہیں سکتا۔ نہ جانے کہاں کہاں کی ہڈیاں ٹوٹی ہیں کہ بدن میں گڑتی ہیں۔ ایسی بیماری تو کسی کو نہ لگی ہوگی، ہا! کیا گناہ کئے تھے میں نے پروردگار! جس کی یہ سزا مل رہی ہے"
"آپ کا علاج تو ہو رہا ہے نا چچا۔ اللہ نے چاہا تو آپ اچھے ہو جائیں گے"

وہ بولی ـــــــــــــ،

"نہیں بیٹی!" وہ عجیب حیرت ناک انداز سے ہنس کر بولے "اب یہ طفل تسلیاں مجھے بہلا نہیں سکتیں۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا بنیش! مگر مجھے خیال آتا ہے کیا ہوگا میرے مرنے کے بعد نجمہ اور اس کی بچی کا، کہاں جائیں گی یہ دونوں، ان کی گذر بسر کیسے ہوگی، کیا کشکول سنبھالے سڑک پر جا بیٹھیں گی؟"

"نہیں چچا ایسا نہ کہیے!" وہ دلاسے کی خاطر ان کا سوکھا پنجر سا ہاتھ اپنے نرم گرم اور گداز ہاتھوں میں لے کر بولی "آپ کو اللہ پر بھروسہ نہیں رہا، اللہ سب کا ہے وہ کسی کو بے سہارا نہیں چھوڑتا!"

انھوں نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو رہے،

رات کے کھانے کے بعد افتخار اور پرویز گھر کے باہر پچھواڑے جا کے ٹہلنے لگے۔ افتخار نے محسوس کیا کہ پرویز کے چہرے پر خلوص کی چمک نہ تھی۔

"مجھ سے چچا صاحب کہہ رہے تھے کہ تمہاری پھوپی اماں کسی خاص مقصد کے تحت آئی ہیں،" پھر افتخار ہی نے گفتگو میں پہل کی "کیا واقعی؟"

"ہاں!" تنفر آمیز لہجے میں پرویز نے کہا "آئی تو ہیں کسی خاص مقصد ہی کے تحت لیکن اس مقصد سمیت چلی بھی جائیں گی"

"مجھے تو وہ لڑکی پسند آئی ہے" افتخار نے کہا "سیدھی سادی کم سخن اور بھولی بھالی معلوم ہوتی ہے۔ زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیاں مجھے تو بھائی پسند نہیں وہ دنیا بھر کی باتیں جان جاتی ہیں اور اپنی سادگی معصومیت اور بے خبری کھو بیٹھتی ہیں۔ ان کے چہرے کا بھولا پن رخصت ہو جاتا ہے اس کے علاوہ، وہ اچھی بیوی، اچھی ماں بھی ثابت نہیں ہوتیں ہیں، کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تمہارے خیال کے برعکس" اجنبی لہجے میں پرویز نے کہا "مجھے تعلیم یافتہ، ترقی پسند، اور ساتھ ہی خوبصورت لڑکی اچھی لگتی ہے، شادی عمر بھر کا جُوا ہے دوست! جو گلے میں ڈال دیا جاتا ہے اگر یہ بوجھل اور ناپسندیدہ ہو تو زندگی اسی کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ شادی کوئی بار بار تو ہوتی نہیں ہے تو ایک ہی بار میں پسندیدہ کیوں نہ ہو؟"

"تو کیا ـــ!" افتخار نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پرویز ان کا مطلب سمجھ کر بولے:۔

"ہاں! میں نے صاف انکار کر دیا۔ تو یہ بھی کوئی لڑکی ہے، جسے میں زندگی بھر کا ساتھی بناؤں گا۔ کم علم جاہل، صورت شکل کی بھی ٹھیک نہیں، اب کیا ماں باپ اور پھوپی کے بزرگانہ رشتوں کا لحاظ و پاس کر کے میں ساری عمر قسطوں میں خودکشی کرتا رہوں گا، ناممکن"

"اور سچ پوچھو تو بھائی ابھی شادی بیاہ کی ایسی جلدی بھی کیا ہے" افتخار نے کہا "ابھی تو تعلیم پوری کرنی ہے۔ پھر روزگار کیلئے پاؤں میں پہیے باندھ کر نکلنا ہے روزگار کے بغیر شادی کرنا میں تو سمجھتا ہوں کہ بدترین غلطی اور بڑی سخت حماقت ہے، کیونکہ صرف شادی ہی پر بات نہیں رک جاتی۔ زندگی کی گاڑی کو مزید بوجھل بنانے کیلئے کئی نئے مسافر اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان سب کی ضرورتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے روزگار بہت ضروری ہے۔"

"ہاں ـــ" بے خیالی میں پرویز نے کہا "کیا تمہیں تو یہ بہت پسند آئی ہے؟"

افتخار ہنسنے لگے "تمہارے لئے بھائی!"

"لیکن اوپری دل سے کہہ رہے ہو تو میں ابّا سے بات چیت کروں" پرویز نے کہا اور ایک غضبناک نظر افتخار پر ڈالی۔ اگر یہ شخص درمیان میں نہ ہوتا تو پھر بینش ان ہی کی تھی۔

"ونہیں نہیں ہرگز نہیں" افتخار نے گھبرا کر کہا "خبردار ایسی کوئی بات چچا صاحب سے ہرگز نہ کرنا۔"

"تمہیں تو کم علم گھریلو لڑکی پسند ہوتی ہے"، پرویز کے لہجے میں طنز تھا۔ مگر افتخار نہیں سمجھے اور سیدھے سادے انداز میں بولے

"میں ایسی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا، اپنی پسند جو میں نے واضح کی تھی۔ تو کیا میرے معیار پر پوری اترنے کیلئے ایک تمہاری پھوپی زاد بہن ہی رہ گئی ہے، توبہ کرو!"

"افتخار!—" پرویز نے ہر چہ باداباد کہہ کر انھیں مخاطب کیا۔

"ہوں!"

"تمہیں معلوم ہے کہ گھر میں کیا چقلیش ہو رہی ہے۔ والد صاحب اور اماں بضد ہیں کہ میں توبیہ کے سلسلے میں راضی ہو جاؤں۔ بے شک وہ کئی برسوں سے میری منگیتر رہی ہے لیکن میں ان رسمی رشتوں کو نہیں مانتا۔ بچپن میں کسی ایک لڑکے یا لڑکی کو دوسرے کے نام سے قربانی کے جانور کی طرح چھوڑے رکھنا پرلے سرے کی حماقت ہے۔ بچپن کا زمانہ بے خبری اور نا سمجھی کا زمانہ ہوتا ہے، آگے چل کر دونوں میں سے کسی کی مرضی اور پسند بدل بھی سکتی ہے"۔ پرویز نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا اور لمحہ بھر چپ رہ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ افتخار پر کیا اثر ہوا تھا۔ مگر وہ خاموش ہی رہے تو پرویز نے پھر تقریر کا سرا ابھرا۔

"سچ تو یہ ہے کہ شاید میں راضی بھی ہو جاتا! مگر"

"مگر؟" افتخار نے مستفسرانہ لہجے میں پوچھا

"مگر جب سے میں نے ایک بے مثال حسین لڑکی کو دیکھا ہے تبھی سے دنیا بھر کی خوبصورت لڑکیاں میری نظروں سے اتر گئی ہیں۔ اب میں اسی لڑکی کو اپنانا چاہتا ہوں، اسی کے نام پر سانسیں لئے جا رہا ہوں؛ اسی کے خیال میں دیوانہ بن رہا ہوں۔ اگر وہ میری نہ بن سکی تو کیا کروں گا میں، خودکشی کر لوں گا۔

کہیں بھاگ جاؤں گا۔ میرے دوست میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم کرو! اور کسی بھی طرح اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو؟"

افتخار کو پتہ تھا کہ ان کے بارے میں جویریہ کے تاثرات کیا تھے، وہ اسی بھول میں تھے کہ پرویز نے اس کی محبت اور تحائف کی پذیرائی کرتے ہوئے اسی کا ہاتھ مانگا ہے اس لئے وہ خوش ہو گئے کہ جویریہ کو اس کی محبت کا ساتھی مل جائے گا اور یہ عقلی تاویل سن کر انھوں نے پرمسرت لہجے میں کہا،

"بہت خوشی ہے میرے دوست! جب کہو! بات میری بہن کی ہے، مجھے کہنا نہیں چاہیئے، مگر کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ بھی تمہیں بہت چاہتی ہے، اپنی محبت میں وہ اس قدر آگے بڑھ چکی ہے کہ تم کو اپنی زندگی سمجھنے لگی ہے لیکن" انھوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "وہ تمہارے معیار پر کیسے پوری اتری، دیہاتی۔ کم پڑھی لکھی، قدامت پسند اور قطعی گھریلو لڑکی ہے مگر میں خوش ہوں بہت ہی خوش کہ اُسے تم جیسا شوہر ملے گا۔ خوش نصیب ہے وہ" وہ پھر رک گئے اور کچھ سوچ کر بولے۔ "بس ایک رکاوٹ ہے"

"کس بات کی رکاوٹ ہے؟" پرویز نے پوچھا۔ افتخار کے جوش و خروش سے وہ سمجھ چکے تھے کہ انھیں بھاری غلط فہمی تھی۔

افتخار نے کہا "بس خیال آ رہا ہے کہ بینش کہیں محسوس نہ کرے اس سے پہلے اس کی چھوٹی بہن کی شادی ہو جائے، جویریہ کم و بیش دو ڈھائی سال چھوٹی ہے بینش سے، قاعدے سے تو بینش کی پہلے ہونی چاہیئے"

اور بس، پرویز نے کمان سے زہریلا تیر چھوڑ دیا "اسی کے پہلے ہوگی۔ میں بینش ہی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔ جب سے اسے دیکھا ہے

ہوش کھو بیٹھا ہوں، تم اس کے بھائی ہو، اس کے متعلق مجھے بھی ایسی باتیں نہ کہنی چاہئیں۔ مگر کہنا پڑ رہا ہے، تم میرے دوست ہو، میرے بھائی ہو، تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں، ہنبش کے ذمہ دار بھی تم ہی ہو، افتخار میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو لڑکیوں کے سلسلے میں تمہاری پریشانیوں میں ہاتھ بٹاؤں گا! سو میں خود کو پیش کر رہا ہوں، مایوس نہ کرنا!"

افتخار پر اگر آسمانی بجلی گر جاتی تو وہ یوں بھسم نہ ہوتے جتنے پرویز کی خواہش کو سن کر ہوئے۔ دفعتاً وہ لڑکھڑا گئے اور ایسا لگا انھیں کہ جیسے دل سینے سے اڑ کر حلق میں آ پھنسا ہو۔

"ہنبش کے بارے میں" جیسے دم توڑتے ہوئے بیمار کے منھ سے ٹوٹے ہوئے الفاظ نکلتے ہیں۔ اس طرح افتخار نے بھی کہا "میں نے تو یہ سوچا بھی نہ تھا۔ کیا تم سچ مچ ہنبش ہی کے بارے میں کہہ رہے ہو" انھوں نے دل تھام لیا۔

"ہاں، ہنبش ہی کے بارے میں، انکار نہ کرنا افتخار، پھر میں نہ جانے کیا کر گذر دوں گا میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ میں ناشاد و نامراد دنیا سے چلا جاؤں گا۔ پھر عمر بھر تم بھی سکھ کی سانس نہ لے سکو گے، پچھتاؤ گے اور روؤ گے میرے جنازے پر کہ تم نے اپنے دوست کی آرزو پوری نہ کی۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بولو! افتخار۔ کچھ بولو تو سہی"

"پپ۔ پرویز!" افتخار نے سنبھالا لیا "تم نے تو مجھ پر بم پھینک مارا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ہنبش سے محبت کرتے ہو، وہ۔ وہ تو ہمیشہ سے سوچ لو، وہ ہمیشہ سے میری بھی (ادر) ہے، کیا میں اپنے سینے میں سے دل کو نوچ کر تمہارے حوالے کر سکتا ہوں، پرویز کہو کہ تم مذاق کر رہے تھے۔ یا میں غلط

سُن رہا تھا۔"

"آہ! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ تمہاری ہے، اب میں کیا کروں۔" پرویز نے اداکاری کے جوہر دکھاتے ہوئے کہا " نہیں میں تمہاری دوستی کا دم بھرتا ہوں تمہیں ناامیدی اور مایوسی سے دوچار نہیں کر سکتا۔ بینش تمہیں مبارک ہو، میں اس کی یاد دل میں بسائے ماں باپ بہن اور گھر بار سے دور چلا جاؤں گا، یہاں رہوں گا تو اسے دیکھتا رہوں گا اور پاگل ہو جاؤں گا۔"

افتخار ہکّا بکّا دم بخود کھڑے ہی رہ گئے اور پرویز لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے اندھیرے میں مدغم ہو گئے۔

صابرہ بیگم جس مقصد کے تحت بلوائی گئی تھیں۔ وہ پورا نہ ہوا اور ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک ہی گیا۔

"بھیّا! آخر ایک جواب کیوں نہیں دیدیتے" وہ انصاری صاحب سے بولیں۔

"مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تمہارا بیٹا تمہارا کہنا نہیں مانے گا۔ اس کا انکار میں سن چکی ہوں اس کے آگے نہ تمہاری چلتی ہے نہ بھابی کی، وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ سچ بھی تو ہے، کیوں سنے، زندگی اسے گزارنا ہے، نباہ اسے کرنا ہے۔ اگر وہ میری لڑکی کو پسند نہیں کرتا تو اسے مجبور نہ کرو۔ کیا فائدہ کہ میری نامراد بچی زندگی بھر دکھ جھیلے اور غم اٹھائے، اچھا ہی ہوا کہ میں یہاں آگئی اور اپنی آنکھوں سے اس کا سلوک دیکھ لیا ہے بے جانے بوجھے نگوڑی کے ہاتھ پیلے کردیتی تو ساری زندگی سر کھٹکے روتی۔

"صابرہ! میں تم سے نظریں چار نہیں کرسکتا" انصاری صاحب واقعی شرمندہ تھے "کیا کروں تم ہی بتاؤ، میں تمہارا گناہ گار ہوں۔ کیسے اس ناشدنی نافرمان کو سمجھاؤں کہ پانچ چھ سال کی لگی بندھی منگنی کو توڑنا اچھی بات نہیں ہے۔ مگر اس پر نہ جانے کس آسیب کا سایہ ہے کہ اِدھر سے اُدھر سر ہلاتا ہے اوپر سے نیچے نہیں ہلاتا۔ عاق نہ کردوں اس نابکار کو"

"نہیں بھیّا، ایک ہی تو بیٹا ہے تمہارا" صابرہ بیگم بولیں "بڑھاپے کے سہارے کو

ایک بدنصیب بہن اور نامراد بھانجی کی خاطر عاق کیوں کر دو گے۔ یہ تو مرضی اور پسند کی ہی بات ہے کوئی زبردستی کا سودا تو ہے نہیں۔ بس اب اجازت دو!"

"میں اسے سمجھاؤں گی صابرہ! اتنی جلدی نہ کرو"، سخت ندامت محسوس کر کے طاہرہ بیگم نے کہا۔

"نہیں بھابی!" صابرہ بیگم بہت بددل ہو گئی تھیں "مارے باندھے کی خوشی مجھے پسند نہیں ہے، نہ مجھے اپنی بچی اتنی بھاری ہے کہ کندھے پر کے بوجھ کی طرح سے اتار پھینکوں۔ ارے یہ تو میں ہی آپ کے بھروسے بیٹھی رہی، ورنہ ہمسائے کے مولوی صاحب نے اپنے چھوٹے لڑکے کیلئے تو بیّو کو مانگا ہی تھا۔ کہہ رہے تھے کہ سگھڑ، سلیقہ مند اور خدمت گذار لڑکی ہے ہمیں اس کے سوا کچھ بھی نہ چاہیے۔ گھر کے پیلے کپڑوں میں دیکھیں گے لال کپڑوں میں بدا کرے جائیں گے، یہ اسی گھر کی بہو بننے کا مقدر لائی ہے شاید۔۔ بیاہ دونگی دہیں، دان دہیز تلک کچھ نہیں مانگتے ہیں۔"

"صابرہ!" اگر واقعی وہ گھرانہ اس قابل ہے کہ اپنی لڑکی وہاں بیاہ سکو تو میں خدا کی قسم وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بیاہ کا سارا خرچ میں دوں گا تم حیثیت کے مطابق شادی اس کی کرنا!"

"اپنے بیٹے کی نافرمانی کا تاوان مجھے مت دو بھیا!" وہ زیادہ تلخ ہو گئیں "رائی برابر حیثیت میری بھی ہے۔ کچھ جوڑ جاڑ کے رکھا ہے۔ بس اسی میں خدا نے چاہا تو اٹھا دونگی۔"

"پھر انصاری صاحب اور طاہرہ بیگم انھیں لاکھ روکتے اور مناتے رہے مگر وہ جس طرح آئی تھیں اسی طرح اپنا بوسیدہ سوٹ کیس سنبھالے اور اپنی بچی کا ہاتھ پکڑے چلی گئیں، دروازے سے نکلتے ہوئے ان کے آنسو چوکھٹ پر گرے

ان کے دل سے ایک آہ نکلی۔

"پرویز تو بھی اچھا نہ رہے گا!"

مگر پرویز تو آرزوؤں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا۔ ابھی راہ کا ایک بڑا روڑہ تو خود بخود ہٹ چکا تھا۔ دوسرا باقی تھا۔ مگر وہ وعدے کا قیدی تھا۔ اسے راہ سے سرکانا آسان تھا۔

صابرہ بیگم کے دل گیر اور مایوس چلے جانے کا دکھ انصاری صاحب کو بہت تھا چنانچہ انھوں نے پرویز کو لعنت ملامت کی اور بولے:۔

"سمیٹ لئے ایک بیوہ کے آنسو، اس کی غریب بچی کی آہیں، مگر کیوں کیا ایسا؟ اس نافرمانی اور دلآزاری سے آخر تمہارا ارادہ کیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کچھ دیوانے ہو گئے ہو، کیا شہر جانا نہیں ہے، ایک سال رہ گیا ہے پڑھائی کا، کیوں چھوڑے ہوئے بیٹھے ہو؟"

طاہرہ بیگم کی طرف رخ کرتے ہوئے پرویز بولے:۔

"اماں! نہ میں شہر جاؤں گا، نہ پڑھوں گا۔ میرا دل سب سے بھر گیا ہے، آپ ابّا جان سے کہئے وہ اپنی ایک بہن کے سلسلے میں آخری بات کہہ دیں"

"بہن کے سلسلے میں؟ کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟" وہ ششدر رہ گئیں۔

"ہاں! میں بنفشہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں" پرویز نے بوڑھے ادکار رفتہ باپ کو فضول بے مصرف چیز سمجھ کر کہا۔

"بنفشہ سے!" بھونچکا ہو کر میاں بیوی بولے "پرویز عقل تو نہیں ماری گئی ہے"

"میری عقل سلامت ہے" پرویز پر عشق کا جگادری بھوت اس طرح سوار تھا کہ سچ مچ عقل پر پتھر پڑ گئے تھے، آنکھوں سے کچھ سوجھ نہ رہا تھا۔ بس انھیں دنیا میں

ہر طرف بنیش ہی دکھائی دے رہی تھی ،

"کیا بنیش ہی کے لئے توبیہ کو ٹھکرایا ہے ؟" غصے سے انصاری صاحب بولے

"بالکل ! " بے حد گستاخی سے پرویز نے جواب دیا "بنیش کا اور توبیہ کا کیا مقابلہ پتہ نہیں ایک ترشے ہوئے ہیرے کی بجائے بیڈ ول پتھر آپ لوگوں کو کیوں پسند آیا تھا اس سے میرا سر پھوڑنا کیوں چاہتے تھے ؟ اب اس کا سوال ہی بیکار ہے ، افتخار سے میں نے کہہ دیا ہے کہ میری کا مرضی کیا ہے ، آپ ان سے آخری جواب لے لیجئے بس !"

"پاگل نہ بنو پرویز !" طاہرہ بیگم بولیں "نہ تمہاری تعلیم مکمل ہوئی ہے نہ تم روزی روزگار سے لگے ہو ، افتخار کیا ایسے ناسمجھ ہیں کہ بنیش سے تمہارا بیاہ کردیں گے ، میری بات مانو پہلے تم روزگار سے لگ جاؤ تب بات کریں گے ، بنیش کہیں بھاگی نہیں جاتی "

"وہ نہیں بھاگی جاتی مگر میں ضرور بھاگ جاؤں گا " ماں باپ کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کیلئے پرویز نے کہا " اگر مجھے بنیش نہ ملی تو میں گھر سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا سال بھر بعد کی بات پر مجھے بھروسہ نہیں ، اس عرصے میں کیا ہوگا کیا نہ ہوگا ۔ کون بھلا آگے کی ضمانت لے سکتا ہے ۔ آپ ... افتخار سے آخر کیوں نہ کہیں گی ۔ کیا میں روزگار سے لگے بغیر اپنا بوجھ آپ نہیں اٹھا سکتا ۔ روزگار میں ، میں کون سا بادشاہ بن جاؤں گا "

"اگر افتخار نہ مانے تب ؟ " حد درجہ سیدھے سادے اور جلدی سے ہتھیار ڈال دینے والے باپ نے پوچھا

" مانیں گے کیوں نہیں " پرویز نے تاویل پیش کی " مجھ میں کون سا عیب انھیں دکھائی دے رہا ہے ، بدشکل ہوں ، معذور ہوں ، فقیر ہوں ، گھر بار نہیں ہے ، میرا ہاتھ خالی ہے ، آخر انکار کرنے اور نہ ماننے کی وجہ ہی کیا ہے ۔ اُن کی بہن کیلئے کیا کسی ریاست کا حکمراں آئیگا یا آسمان سے کوئی فرشتہ اُترے گا ؟ "

"جب تم افتخار سے کہہ ہی چکے ہو تو پھر ہمیں کیوں بیچ میں ڈال رہے ہو" بگڑ کر طاہرہ بیگم بولیں "تم اللہ رکھے خود مختار ہو، وہ لڑکی کے بھائی ہیں، بس تم اور وہ راضی ہیں تو پھر کرو جو جی چاہے"، یہ کہہ کر وہ اٹھ گئیں، انھیں ایک طرف دکھ تھا کہ صابرہ دل شکستہ ہو گئی تھیں، دوسری طرف یہ خوشی تھی کہ سچ مچ اگر افتخار رضامند ہوں تو بینش جیسی آفتاب مہتاب بہو گھر میں آ جائے۔

انصاری صاحب کشمکش میں تھے، کیا کہیں افتخار سے، میرے ضدی خودسر اور کھوکھلے بیٹے کے ہاتھ میں اپنی چاند سی بہن کا ہاتھ دیدو، کیا کھلا سکے گا اسے، کیا اس کا بوجھ اٹھا سکے گا۔ وہ شکست خوردہ سوچتے رہے، پھر دل کو تسلی دی، ان ضعیف میاں بیوی کا کیا، ذاتی گھر تو موجود ہی ہے، جب تک پرویز پڑھائی پوری کر کے کہیں ملازم نہ ہو جائیں گے، کمائے پر گذر بسر ہو گی۔ ان تین نفوس کے لئے شیخ صاحب کے عطا کردہ پانچ سو کافی ہیں، نزہت تو ابھی اتنی چھوٹی ہے جب اس کے بیاہ کا وقت آئے گا تو اللہ خود ہی انتظام کر دے گا۔

بینش کا کمرہ انصاری صاحب کے کمرے سے ملا ہوا تھا، وہ شب و روز ان سب کی باتیں سنتی تھی، اب بھی بے کم و کاست سب کچھ سن لیا تھا اور وحشت زدہ سی ہو کر سوچنے لگی، کیا سچ مچ وہ پرویز کی آرزو کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ وہ شخص جان چھوڑنے والا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ آخر اس نے افتخار سے کیا کہا ہے۔ کیا افتخار بھی ان کی خواہش پر سرنگوں ہو گئے۔

سلگتے ہوئے خیالوں نے اس کے وجود کو خاکستر کرنا شروع کیا تو وہ چھپتی چھپاتی رات کی تاریکی میں ملفوف افتخار کے کمرے میں پہنچ ہی گئی۔

افتخار کا عالم ہی عجیب تھا، دو دن سے وہ باؤلے بنے پھر رہے تھے دماغ

پراگندہ تھا، دل بیقرار اور ہوش وحواس معدوم، انھوں نے اوّل روز سے ہبنش کو چاہا تھا۔ اس کے خواب دیکھے تھے، وہ انکی زندگی تھی، اس کا حصول ان کی پہلی اور آخری تمنا تھی، مگراب وہ انھیں ایک اجنبی لڑکی لگ رہی تھی، انکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ پرویز کو انکار میں کیسے جواب دیں۔ انھوں نے ہبنش سے اپنی وابستگی کا اظہار کر تو دیا تھا مگر پرویز کو کچھ احساس ہوا تھا۔

ان کے دن بے چین تھے اور راتیں آنسو بہاتے گزر رہی تھیں۔ اس رات وہ سکرات کی سی حالت میں بیقرار اس عقدہ کا حل سوچ رہے تھے اور مضطرب ہو رہے تھے، دفعتہً دروازہ کھلا اور ہبنش بگولے کی طرح اندر داخل ہو کر کے ان کے سینے سے چمٹ گئی۔

"ہبنش ___ !" افتخار کی سانسیں پھولنے لگیں، دم رکنے لگا، ہبنش نے انھیں جکڑ لیا تھا۔ غصے اور گریہ سے ملے جلے لہجے میں بولی:۔

"مر گئی ہبنش۔ دفن کر دیا آپ نے اُسے، یہ کیا سن رہی ہوں، اسی لئے مجھے اس گھر سے لے آئے تھے کہ یہاں زندہ درگور کر دیں۔ میں وہیں کیا بری تھی آپ نے اپنا تحفظ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اپنی پناہ دی تھی۔ پھر اب یہ کیا ہے، میں کوئی بے جان وجود ہوں، جس کی نہ کوئی مرضی نہ کوئی رائے، جیسے آپ ایک جانور سمجھ کر کسی بد نہاد مرد کی خواہش پر بھینٹ چڑھا رہے ہیں، بتائیے مجھے صاف صاف اس آدمی نے کیا کہا تھا آپ سے، ورنہ قسم سے اس کی اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔"

"بیٹی! تم صبر سے کام لو، بیٹھ جاؤ تو یہاں" افتخار نے سنبھل کر کہا "میں تم سے بھلا کیا چھپاؤں گا۔ سب کچھ کہہ دوں گا۔ مگر تم ذرا سکون سے یہاں بیٹھ جاؤ ___" انھوں نے اسے اپنے پلنگ پر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے، ہبنش کا حلیہ کچھ

عجیب ہو رہا تھا۔ بال منتشر، چہرہ سرخ، پلکیں متورّم، آنکھیں پرنم۔
افتخار کا دل پانی ہونے لگا، وہ بے خود و بے خبر سے اُسے بکنے لگے۔
حسن مغموم دل پر بجلیاں گرانے لگا تھا۔

"چپ کیوں ہو گئے؟" بنیش نے انھیں جھنجھوڑ ڈالا

"سوچ رہا ہوں کیا کروں؟"

"کیا مطلب، ایک جواب اس بدمعاش آدمی کو نہیں دے سکتے کیا؟"

"تمہیں بہت چاہتا ہے۔"

"کیا آپ سے زیادہ؟" وہ طنزیہ بولی "اور اس منحوس بدنظر کی چاہت کے مقابلے میں میری کوئی رائے نہیں، کوئی مرضی نہیں، میں قربانی کا جانور ہوں، جس بے رحم دیوتا پر چاہو قربان کر دو! بس اتنی سی حقیقت ہے میری!"

"تم خود ہی انکار کر دو بنیش!" افتخار نے گھبرا کر کہا "سچ کہتی ہو تم، آخر تمہاری بھی کوئی مرضی ہے، میں ان کا دوست ہوں، وعدہ کر چکا ہوں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔"

"دوستی!" اس نے دانت پیس کر کہا "آپ کو ہے پاس دوستی کا۔ اور وہ دوست کے گلے پر چھری چلانا چاہتے ہیں، دوستی تو ہے دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ یہ کیا۔ کہ آپ دوست ہیں اور وہ دشمن۔"

"دشمن وہ بھی نہیں ہے" افتخار جو انسانیت اور شرافت سے بالاتر، فرشتگانہ منصب پر پہونچ گئے تھے، سمجھاتے ہوئے بولے "بس وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہے اور کوئی دوسری بات نہیں۔"

"بنیش پریشان تھی، اس کا حشر کیا ہوگا؟ جب افتخار الٹی سیدھی باتیں کرنے

لگے تو وہ رونے لگی!

انصاری صاحب تو سچ مچ بیکار ثابت ہو رہے تھے۔ انھوں نے ضدی ہٹ دھرمی والے بیٹے کے آگے سپر ڈال دی تھی طاہرہ بیگم کی سنتا کون تھا، بنیش کو ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ ایک حقیر تنکا ہو اور طوفانی جھولے میں چکرا رہی ہو۔

پھر اس کی تقدیر نے ایک اور خطرناک موڑ لیا۔ جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ابھی حالات جوں کے توں معلّق تھے، افتخار کو ان کا ایک مزارع ضروری کام سے بُلا لے گیا۔ انھوں نے ہمیشہ کی طرح بنیش کے ہاتھ پر ڈھائی ہزار روپئے رکھ دئے اور بولے "تم خرچ کرنا۔ میں کل شام تک واپس آ جاؤں گا۔"

"تو یہ پیسے مجھے کیوں دے ہیں۔ کیا کل شام تک ڈھائی ہزار خرچ کر ڈالوں گی"، بنیش مشکوک نظروں سے انھیں تکنے لگی۔

"وہ۔ سُنا ہے کہ۔" بوکھلائے ہوئے اور کھسیائے ہوئے سے افتخار نے کہا۔ "شیام اینڈ سنز کے پاس کپڑوں کا نیا اسٹاک آیا ہے، تم اور جویریہ جا کے لے آؤ، میں واپسی پر اور رقم لیتا آؤں گا، امرت سر چاول کا ایک کھیت زمیندار راجہ دھرم داس خرید رہے ہیں ان کی دو بیٹیوں کی ایک ہی دن شادی ہے۔"

"ہو گی!"، برا سا منھ بنا کر بنیش بولی اور کچھ خفا ہو کر کمرے میں چلی گئی، افتخار بھی چلے گئے اور ایسے گئے کہ دوسرا دن گذرا۔ تیسرا دن گذر گیا ایک ہفتہ بیت گیا۔ مگر ان کا پتہ نہیں بنیش کی پریشانی پاگل پن میں بدلنے لگی، گھر کے بھی افراد پریشان تھے، حتیٰ کہ جویریہ بھی گھبرانے لگی تھی۔ بہت دنوں بعد اس نے بنیش سے بات کی تھی۔

"ان کا واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا، تبھی تو ڈھائی ہزار بخش گئے، بزدل تھے زبردست کا مقابلہ نہ کر سکے، بھاگ گئے تمہیں ہاں یا نہیں کی صلیب پر لٹکا کے، واہ

ایسے چاہنے والے بھی کہیں نہیں دیکھے، جان چھڑکتے تھے تم پر، صورت دیکھ دیکھ کر جیتے تھے، اب کیا ہوا۔ ایک ظالم شخص کے پنجے سے چھڑا نہ لیا نہیں، اسی کے رحم و کرم پر چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور مالا جپو افتخار کے نام کی۔"

"میرا دل جلا کے تم کیوں خوش ہوتی ہو جوہی!" بینش رو پڑی "اچھا ہے مجھے تم بھی سزا دو! وہ بھی سزا دیں، اسی طرح میرا پاپ کٹ جائے، وہ تو دور کے عزیز تھے، ان پر میرا کوئی حق نہ تھا، انھوں نے ابھی تک جو کچھ کیا۔ وہ بہت کیا۔ ان کے احسانات ہیں مجھ پر، مگر تم، تم تو سگی بہن ہو، سب کچھ جانتی بوجھتی ہو! پرویز کی ڈھٹائی افتخار کی مجبوری، اور میری نفرت سب کچھ واضح ہے تم پر۔ مگر پھر بھی تم مجھی کو قصوروار اور خطاکار جانتی ہو، طعنے دیتی ہو مجھے، خفا ہو مجھ سے، بات چیت بند کردی ہے" اُسے یکا یک غصہ آگیا "خیر، جو جی چاہے کرو، تم کیا اور افتخار کیا، سب اپنی مرضی کے مالک ہیں کیا میں کسی کو مجبور کر سکتی ہوں، میں اپنی تقدیر آپ بھگت لوں گی۔ ساتھ نہ دینا تم" اس نے زانوؤں میں سر دے لیا اور بلک اٹھی۔

"میں تم سے خفا نہیں" کچھ پشیمان ہو کر جوہی بولی "تم نے کیا بگاڑا ہے میرا، میں تو اپنی پچھلی حماقتوں پر پچھتا رہی تھی، شرمندہ تھی، سچ مانو، اب کیوں رو رہی ہو" بینش نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ سچ مچ خود کو تنہا بے سہارا سمجھ رہی تھی، آنسو اس کے ساتھی بن کر رہ گئے تھے اور افتخار کا انتظار جانگسل روح فرسا ہو رہا تھا۔ مگر دن پر دن گذرتے چلے جا رہے تھے، افتخار نے آنے کا نام نہیں لیا پھر بینش بھی اسی رخ پر سوچنے لگی کہ وہ اسے اس کے مقدر کے حوالے کر کے بھاگ گئے، ان میں اتنا دم ہی نہ تھا کہ وہ پرویز کے ہاتھ سے اسے چھین سکتے ان کا ارادہ واپسی کا تھا ہی نہیں تبھی تو اسے زیادہ رقم تھما گئے تھے، بینش کا دماغ آہستہ آہستہ ماؤف ہونے لگا تھا، سوچنے

اور سمجھنے کی صلاحیتیں کند ہو رہی تھیں، پھر ایک دن وہ پاگل ہی ہو گئی۔ جب سویرے ایک آدمی حویلی کا پتہ پوچھتا پوچھتا آیا اور انصاری صاحب سے بولا

"صاحب! یہ کپڑے مجھے ندی کنارے پڑے ملے ہیں، جانے کس کے ہیں۔ قمیص کے اندر سے ایک کارڈ نکلا ہے، سوامی کے مطابق یہاں آیا ہوں، آپ دیکھ لیجئے۔ کیا یہ کپڑے آپ کے گھر کے کسی آدمی کے ہیں؟"

گٹھری کھلی اور اس میں سے افتخار کے کپڑے نکلے، قمیص، بنیائن اور واسکوٹ کارڈ جو ملا تھا افتخار ہی کا تھا۔

گھر میں قیامت اٹھ گئی۔

بینش چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

انصاری صاحب دل تھام کر بیٹھ گئے۔

کیا افتخار نے حالات سے شکست کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

وہاں دماغ اور حواس صرف پردیز ہی کے قائم تھے چنانچہ انھوں نے اس اجنبی آدمی سے پوچھا

"کیا خدانخواستہ ندی میں کوئی لاش ملی ہے؟"

"پچھلی بارش میں ندی چڑھ گئی تھی صاحب، بہاؤ تیز ہے اگر لاش واش ہو گی بھی تو جانے بہہ کر چلی گئی ہو گی۔ ممکن ہے کہیں آگے جا کے ملے۔"

"لاش افتخار کی، نہیں نہیں" بینش دیوانوں کی طرح چیخ رہی تھی "ایسا نہ کہو لاش ملے ان کے دشمنوں کی، ارے وہ تو چاولوں کی فصل زمیندار کے ہاتھ بیچنے گئے ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے وہ آئیں گے، ضرور آئیں گے۔"

مگر وہ نہیں آئے، اس عرصے میں بینش اتنی بدحواس رہی تھی کہ اسے اپنی ذات کا

ہوش بھی نہ رہا۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا، کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتی تھی نہ اسے یہ احساس تھا کہ لباس بدلتی، یا خود کو ٹھیک رکھتی۔ بس وہ دن بھر نا مکمل بنیادوں پر بیٹھی ٹکٹکی لگائے اسی پگڈنڈی کو گھورا کرتی، جہاں سے اکثر افتخار آتے تھے، لیکن وہ پگڈنڈی جو باغ کے سرے پر ختم ہوتی تھی ہبینش کی مانگ کی طرح سونی اور اجڑی ہی رہی، افتخار کے قدم اس پر نہیں آئے۔

اب جویریہ کو بہن کی تباہی کا احساس ہوا وہ اسے منانی سمجھاتی رہی، اس کے ساتھ روتی تھی، ہبینش کا سسکیاں لے کر رونا جویریہ سے برداشت نہ ہوتا اور اس کے بین تو اس کا کلیجہ چیر دیتے۔

"کیا سچ مچ انھوں نے گھبرا کر حالات سے موت کی گود میں پناہ لے لی جویریہ! کہہ دو کہ میرا خیال غلط ہے، وہ کہیں مصروف ہیں۔ ایک دن چلے آئیں گے۔ میری حالت دیکھیں گے اور پوچھیں گے، بینی! تم کو اپنے افتخار پر بھروسہ نہیں تھا کیا وہ تم کو چھوڑ کے جنت میں بھی جا سکتا ہے، بینی! تم نے مجھے مرحوم کیوں سمجھ لیا۔ دیکھو میں زندہ ہوں، آ گیا ہوں تمہارے پاس"

پھر وہ زار زار رونے لگتی۔

جویریہ پریشان تھی اسے خوف تھا کہیں ہبینش بھی جان سے نہ گزر جائے اسے انصاری صاحب نے سمجھایا۔ طاہرہ بیگم گلے لگ کے روئیں۔ مگر سب بیکار، اس کا غم الیسا نہ تھا جو صبر و ضبط کی تلقین سے بہل جاتا۔ پھر وہ گم صم رہنے لگی جیسے زندہ مورتی ہو۔

ایک ہفتہ گزر گیا اور ایک اداس شام جب وہ پچھواڑے بیٹھی افق پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہی تھی پرویز چپکے سے اس کے پاس آ بیٹھے، اب کے ان کے قریب سے ہبینش بھاگی نہیں بلکہ چپ چاپ بیٹھی ہی رہی۔

"ہبینش!" پرویز نے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا "مجھے بھی صدمہ ہے

بے حد گہرا صدمہ، وہی تو میرا ایک دوست تھا۔ مگر اللہ کی مرضی اُسے مجھ سے جدا کر دیا میں
اسے بھلا نہیں سکتا۔ وہ عمر بھر مجھے یاد آتا رہے گا۔ لیکن ایسی یاد سے کیا فائدہ، جو ہر لمحہ دل پر
ایک نیا زخم لگائے، جانے والے کے ساتھ کبھی کوئی نہیں گیا۔ بینش اس راہ کے مسافر بس
اکیلے ہی جاتے ہیں۔ تم سمجھدار ہو بینش۔ میں تم کو کیسے سمجھاؤں کہ ذرا خود کو تلاش کرو۔ تم ضائع
ہو جانے کے لئے نہیں تخلیق کی گئی ہو۔ تمہارے وجود کی دنیا کو ضرورت ہے، بینش! اب
دل کو سنبھالو۔ میرا سہارا میرا ہاتھ قبول نہیں ورنہ میں تمہیں دنیا بھر کی خوشیاں دیتا۔ اور
تمہیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا۔

بینش تم میری باتوں پر دل ہی دل میں بگڑ رہی ہو گی۔ مگر تنہائی میں غور کرنا کہ میں صحیح کہہ
رہا ہوں کہ غلط۔ یہ دنیا ہے، یہاں انسانی شکل کے درندے بستے ہیں۔ نوجوان ہو تم — اور
خوبصورت ہو، تنہا ہو، کیا ساری عمر اسی طرح گذار سکو گی۔ تمہیں جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنے
کیلئے گھر سے نکلنا پڑے گا۔ تمہیں کیا معلوم کہ کون سا شخص کیسا ہے، لڑکیوں کی آبرو کہیں
محفوظ نہیں، مجھے تم نے ٹھکرا دیا اس کا مجھے شکوہ نہیں، مگر میں تمہارا ہمدرد تو ہوں۔ مجھے
بتاؤ کہ تم نے اپنا کیا نصب العین بنایا ہے۔ افتخار کی محبت کا واسطہ مجھے اپنا سمجھو!"

"کچھ نہیں بنایا ہے پرویز صاحب!" بینش کے آنسو ٹپکنے لگے "جب مجھے زندہ ہی
نہیں رہنا ہے تو نصب العین کیا بناؤں؟ بس روتے روتے مرجانا چاہتی ہوں۔"

"اور اپنی بے سہارا بہن کو بے یار و مددگار چھوڑ جاؤں گی؟"

"اس کا بھی خدا ہے۔"

"کیا خدا تمہارا نہیں ہے؟" پرویز نے کہا

"کیا دیا ہے خدا نے مجھے؟"

"بہت کچھ دیا ہے، حسن، نوجوانی، زندگی اس کی ساری نعمتیں، مگر تم کفران نعمت کر رہی ہو

اب بھی کچھ نہیں بگڑا بینش خود کو تباہ ہونے سے بچاؤ! مجھے بھی تباہی کے گڑھے سے نکال لو میں بھی برباد ہو رہا ہوں صرف تمہاری خاطر اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑے یہاں پڑا ہوں، یہاں کیا ہے میرے لئے، آدمی تنہا کبھی جی نہیں سکتا اسے دوسروں کا سہارا چاہیئے! میں افتخار مرحوم کا دوست ہوں کیا تم کو اس کا بھی خیال نہیں ہے۔"

"اور اگر افتخار واپس آ گئے تب؟" مچل کر بینش بولی

اس کے مثبت جواب نے پرویز کو بدحواس کر دیا ایک لمحے تک وہ گنگ رہے، پھر سنبھل کر بولے "اگر مرنے والا کبھی واپس آیا ہے تو بے شک وہ بھی آ جائیں گے۔ ورنہ تم خود ہی سوچو — کہ —"

"میں اُن کی یاد سے بے وفائی کیسے کروں؟"

"وفا کر کے کیا ملے گا؟" پرویز نے کہا "عمر بھر کی تلخیاں، بربادیاں، رسوائیاں، دنیا کبھی ایک جوان لڑکی کو تنہا دیکھ کر اس کی نسبت خوش گمانی نہیں کر سکتی، بدنصیبی اور بدنامی اس کا نصیب بن جاتی ہے۔ آج تم سب کے درمیان ہو اس لئے آئندہ کی تنہائی کے بارے میں نہیں سوچتیں۔ آج ابا ہیں امی ہیں، جویریہ ہے۔ مگر یہ سب کب تک، بوڑھوں کا سہارا ہی کیا۔ جویریہ کی شادی ہو جائے گی۔ اس کے بعد کیا کرو گی تم، کہاں جاؤ گی؟ اگر خود کو جیتے جی برباد کرنا اور بدنامیاں مول لینا مرنے والے کے ساتھ وفاداری کرنا ہے تو بے شک وہی کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے۔ مگر کل جب تم اس ویران لق و دق حویلی میں اکیلی دیواروں سے سر ٹکراؤ گی اور تم کو کوئی ہمدرد، غم خوار، چارہ ساز نہ ملے گا۔ سوچو تب کیا ہو گا۔ بینش جو دن گزر چکے ہوتے ہیں وہ دن پھر کبھی بھی واپس نہیں آیا کرتے۔"

"ہاں!" خوف سے بھرپور آواز میں بینش نے کہا اور اس طرح خالی خالی نظروں سے پرویز کو تکنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"بینش تم تھام لو میرا ہاتھ؟" پرویز نے پوچھا۔

"ہاں!"

"شادی کرو گی مجھ سے؟" پرویز نے پھر پوچھا۔

"ہاں!" بینش نے کہا

اُسے خود پتہ نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

تنہائی میں جویریہ نے اسے لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا "کیا ہو گیا ہے تمہیں بینی! تم افتخار بھائی کو اتنی جلدی بھول گئی ہو! تمہارے ہوش ٹھکانے ہیں۔ تم کل تک ان سے نفرت کرتی تھیں۔ آج ان سے شادی کیلئے راضی ہو گئی ہو۔ بینش تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟"

"نہیں!"

"مجھے تو پرویز کی چکنی چپڑی باتوں میں فریب نظر آ رہا ہے" جویریہ بولی "تم مت ماننا ان کا کہنا۔ وہ تم کو دھوکا دے رہے ہیں۔"

"کتنا بڑا دھوکا مجھے افتخار نے دیا ہے" وہ سسک کر بولی "اب جو کوئی دھوکا مجھے اس کی پروا نہیں ہے"

"بینی دیکھو میں پرویز کی محبت میں دیوانی تھی۔ مگر آج میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مجھے انکی محبت میں صاف دھوکا نظر آ رہا ہے، تم شادی سے انکار کر دو" جویریہ نے ایک بار پھر سمجھایا۔

"تم اُن کی نہ ہو سکیں اس لئے چاہتی ہو کہ میں بھی نہ ہو سکوں" وہ عجیب سے

اجنبی لہجے میں بولی "مگر سچ مانو جویریہ! روح کے بدن سے نکل جانے کے بعد لاش صرف خونخوار گدھ کی لاش بن کر رہ جاتی ہے میری روح تو افتخار کے ساتھ چلی گئی، اب لاش کا کیا ہے" وہ سر اوندھا کر بیٹھ گئی۔

ابھی افتخار کی یاد تازہ تھی، حویلی ویران تھی۔ ان کے بعد سارے کرایہ دار اور سارے گھر والے سہم کر رہ گئے تھے، پھر افتخار کا چالیسواں ہوا اور ہفتہ بھر کے بعد سادگی سے پرویز نے بینش سے نکاح کر لیا۔

پرویز کی دیرینہ آرزو بر آئی۔ لیکن اس دن جویریہ بینش کی ناسمجھی پر بہت روئی تھی اسے یقین تھا کہ بینش اپنے حواسوں میں نہ تھی

اب پھر اوپری منزل کا کمرہ جو نیم کے گھنے سائے تلے تھا از سرِ نو آباد ہو گیا تھا
بنفشہ دلہن بن کر اسی کمرے میں گئی تھی۔ جویریہ جو بہت اداس اور دل گیر رہتی تھی
اس کا کام پھر سے یہی ہو گیا تھا کہ دولہا دلہن کے لئے لذیذ ترین کھانے تیار کرے
اور اوپر پہونچا دے۔ اس کی فطرت عجیب تھی۔

جب پرویز بنفشہ پر لٹو ہو رہے تھے تب اسے پرویز سے والہانہ محبت تھی
اور اب جبکہ وہ بنفشہ کے ہو چکے تھے جویریہ کو ان سے سخت نفرت ہو گئی تھی حالانکہ
ان کی خوبروئی دلفریبی اور وجاہت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ مگر جویریہ کے لئے
ان کے چہرے میں ذرا بھی دل کشی نہ تھی۔ اسے یقین تھا کہ شرافت اور جاں نثاری
کا نقاب ان کے چہرے سے جلد ہی اتر جائے گا۔ اپنے یقین کا جواز اس کے پاس
نہ تھا مگر اس کا یقین پختہ تھا۔ ویسے وہ اب بنفشہ سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ اسے
اندازہ تھا کہ بنفشہ کابوس کی بیمار تھی۔ وہ جو سوتے میں نہ کرنے والے کام کر جاتے
ہیں۔ جن کا ادراک جاگنے پر نہیں ہوتا ہے اسے بنفشہ پر ترس آتا تھا۔ کیا عالم ہوگا
اس کا جب اس آنکھ کھلے گی۔ اسے ہوش آئے گا۔

حویلی کے لوگوں کی زندگی پھر اپنے محور پر آ گئی تھی۔ مرنے والے کا بس نام ہی نام
رہ گیا تھا اور اب تو کوئی نام بھی نہیں لیتا تھا۔ افتخار کی موت سے اگر فائدہ پہونچا تھا

نہ نجمہ کو پہونچا تھا۔ جن کی بیوگی اور بچی کی کم سنی کا لحاظ کر کے انصاری صاحب اور دوسرے کرایہ دار نجمہ ہی کو کرایہ دیتے تھے، جویریہ کو یہاں کے کرایے سے بھی نفرت ہے اور وہ اب اپنے قدیم گھر واپس جانے کیلئے پر تول رہی تھی، ہبینش کی شادی اور افتخار کے مرنے کے بعد زندگی ایک بوجھ لگ رہی تھی۔

پرویز صاحب نے ایک آدھ مہینہ ہبینش کی محبت کے قصیدے الاپے تھے پھر ان کے سلوک میں نمایاں بے رخی اور سرد مہری جھلکنے لگی ہبینش پر حکم چلاتے ہوئے کہنے لگے تھے "اماں کیلئے تم کوئی نئی بہو تو ہو نہیں، کب تک سہری سنبھالے آرام سے کھایا کرو گی۔؟ اماں بوڑھی ہو چکی ہیں، ان کا ہاتھ بٹایا کرو!"

"ان کا ہاتھ جویریہ بٹاتی ہے" جیسے جیسے ہبینش کے ہوش و حواس واپس آرہے تھے ویسے ویسے وہ اپنی جسمانی روحانی اور ذہنی تباہی پر دست تاسف ملتی تھی۔ مگر اب مداوا کچھ نہ تھا اس کی بے روح لاش گدھ بھنبھوڑ چکا تھا اور جب روح زندہ ہوئی تو اسے اپنا پچھلا پاکیزہ اچھوتا جسم نہ ملا۔ روح کا ملال شدید پچھتاوے اب ہبینش کی رگ رگ سے جان کھینچ رہے تھے۔

"تم نے مجھے سمجھایا نہیں، منع نہیں کیا" وہ تنہائی میں جویریہ سے کہتی "میں اسی کی ہو گئی جس سے مجھے نفرت تھی۔"

"سمجھایا تھا بیٹی! منع بھی کیا تھا" جویریہ آہ بھر کر رہ جاتی "وہ بھی دیکھ رہی تھی کہ پرویز نے انسانیت کا جامہ اتار پھینکا تھا اور انتہا درجے کی ذلیل باتیں کرنے لگے تھے اگر ہبینش خاموش بیٹھی ہوتی تو وہ طنز بہ انداز میں ہنس کر زہریلے تیر چلاتے۔"

"کیا سوچ رہی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم عاشق صاحب کی یاد ستاتی ہے ——— بچاروں نے بڑا دیرینہ ساتھ چھوڑا تمہارا۔ مگر میری راہ صاف کر گئے وہ اگر ڈوب نہ

مرتے تو بھلا تم کہاں ہاتھ لگتیں؟» جان بوجھ کر وہ مکروہ اور تلخ الفاظ استعمال کرتے کہ دل پر زخم لگتے۔

«ہاں وہ ڈھائی ہزار کہاں ہیں جو مرنے سے پہلے وہ دے گئے تھے» ایکدن پرویز نے کہا۔ افتخار کے مرنے کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ «کیا کئے ہیں وہ ڈھائی ہزار روپئے تم نے؟»

«کیوں؟» بینش اب ان سے مرعوب نہ تھی۔ وہ پہلے والی تیز اور غصہ ور بن گئی تھی اپنے بیوقوف بن جانے کا طرارہ بھی اسے بہت تھا۔ «آپ اس رقم کے پوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟»

«دیدو بھئی مجھے! مرحوم کے نام کی خیرات سمجھ کر دیدو!» وہ استہزائیہ انداز میں ہنسے آخر کیسے گذر ہوگی۔ میں کہیں کا نواب تو ہوں نہیں، نہ تم کوئی ملکہ ہو۔»

«تو کیا اب تیری میری خیرات پر گذر ہوگی!» بینش بولی

«آثار تو یہی ہیں۔ میں تو دعا دیتا ہوں مرحوم و مغفور کو، بے چارے کچھ دنوں انتظام فرما گئے ہیں۔»

«وہ میں نے جوہی کو دیدئے، نہیں ہیں میرے پاس»

«یہ تو اور اچھا ہوا۔ جوریہ بیگم کی توجہ اس خاکسار پر بے حد تھی، رہی بھی اب بھی ہوگی ان کا مرہونِ منت ہوں۔ چار سو کا قرضدار بھی۔ اب ڈھائی ہزار اور مرحمت فرما دیں۔ زندگی نے وفا کی تو پورے تین ہزار واپس کر دوں گا۔»

«آپ کی باتوں پر مجھے تعجب ہوتا ہے شرم آتی ہے، کیسے نکلتی ہیں ایسی ہلکی ہلکی باتیں منھ سے۔» بینش حیران تھی «کیا سمجھ کے آپ نے آخر شادی کی تھی۔ نہ زادے یا کہیں کے نواب تو آپ پہلے بھی نہ تھے۔»

"ہاں! بس پاگل بنایا تھا تمہاری صورت نے، مگر اب اس میں کوئی کشش نہیں رہ گئی۔ پچھتا رہا ہوں۔"

"صرف زبان سے کہہ کے نہ رہ جائیے، پچھتاؤں کو عملی شکل دیجیے، میں بھی پچھتا رہی ہوں، ناحق آپ کے فریب میں آئی۔"

"تو کیا طلاق چاہیئے؟"

"زہے قسمت! اگر مل جائے۔"

"ارے اس بھرم میں مت رہنا، تم نے میری جو توہین کی ہے، مجھ سے ہاتھ جڑوائے ہیں، خوشامد کروائی ہے، مجھے برا بھلا کہا ہے، میرا تعلیمی کیریئر برباد کیا ہے، مجھے اپنے والدین کے سامنے شرمندہ کیا ہے۔ مجھ سے میری دیرینہ منگیتر جدا کروائی ہے۔ ان سب کا بدلہ اب میں تم سے لینا چاہتا ہوں۔ اپنی اہانت میں کبھی بھولتا نہیں ہوں۔"

"ضرور ضرور!" ہینی اشتعال دلانے والے انداز میں ہنسی "کھسیانی بلی کھمبا نوچے، ہاتھ خالی ہے۔ کہیں سے جاگیر آ نہیں رہی ہے، جو ہیرا سے رقم لینا تھی وہ ہاتھی سے گنے چھینا جانا ہے، بس یہ سارا تپا اسی کا ہے جو مجھ پر اتر رہا ہے۔ مگر میں ڈرنے والی نہیں۔ اب تو گنبد کی صدا ہے، جیسی کہیے گا۔ ویسی سنیے گا۔"

"یہ دم خم ہیں تمہارے!" انھوں نے خونی آنکھوں سے ہینی کو گھورا "کس کے برتے پر ہیں، اب تو کوئی پشت پناہ بھی نہیں رہا۔"

"مجھے کسی پشت پناہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"تم جانتی ہو میں زبان دراز عورتوں کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟"

"زبان دراز عورتیں آپ کو کہاں سے مل گئیں؟"

"زبان کھینچ لیتا ہوں گدی سے!"

جویریہ دیر سے سب سن رہی تھی اور وحشت زدہ تھی کہ کہیں اب نوبت مار پیٹ کی نہ آجائے اس نے بوکھلا کر دخل دیا۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی لرز رہی تھی اور بالآخر بول ہی پڑی۔

"بیبی! نجمہ آپا نے بھجوایا ہے، کھانا کھاؤ گی یا چائے بنا لاؤں"۔

"لاحول ولاقوۃ" جواب میں پرویز نے کہا "اس نے گندی اور غلیظ عورت کے ہاتھ کا پکا کھانا میں تو نہیں کھا سکتا۔ چوبیس گھنٹے اپنے کینسر زدہ باپ کے پاس بیٹھی رہتی ہے، نجانے کیسے خوفناک جراثیم اپنے ساتھ لاتی ہوگی۔ مرحوم کو بھی اِدھر ادھر کا آخور سمیٹنے کی عجیب فضول عادت تھی"۔

"ان کے عزیزوں کو بُرا بھلا کہنے کا آپ کو حق نہیں" بنفش کو غصہ آگیا "کیوں کھاتے ہیں ان کا پکایا ہوا۔ استطاعت ہو تو ملازم رکھ لیجئے!"

"تم کس مرض کی دوا ہو، اپنا چولھا الگ کرو"۔

"یہ مجھ سے نہ ہوگا!"

"ہوگا۔ ورنہ کیا راج کرنے آئی ہو؟"

"راج تو آپ ہی کو نصیب نہیں۔ میں کیا راج کروں گی!"

"دیکھو بنفش میں بہت دیر سے ضبط کر رہا ہوں۔ اگر اب تم نے کوئی بدزبانی کی تو پھر میں تم پر ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا"۔

"شوق سے اٹھائیے۔ آپ کی شرافت اور تہذیب سے امید بھی کیا ہے" اور پرویز کو برافروختہ ہو کر اٹھتے دیکھ کر جویریہ کمرے میں گھس آئی۔ پرویز مٹھیاں کس کے کمرے سے باہر چلے گئے۔

بنفش اپنا منہ چھپا کر رونے لگی۔

اب تو روز کا وطیرہ یہی تھا۔ اور ایک دن حویلی کی فضا میں حویلی کے مکینوں کیلئے ایک معجزہ رونما ہو گیا۔ بھری برسات کے دن تھے، اس روز صبح ہی سے پانی برسنے لگا تھا اور کچھ ایسا سہانا موسم تھا کہ دل سینوں میں کسی نئی بات کیلئے مچلے جا رہے تھے۔

اوپری منزل سے بارش کا نظارہ بہت دلکش ہوتا تھا۔ مگر ان دونوں بہنوں کیلئے تو اب کسی بھی منظر میں دلکشی اور کشش ہی باقی نہ تھی دونوں گم صم تھیں، بنفشی خیالوں میں غرق جویریہ اپنے ماضی کی یادوں میں گم۔ دفعتاً نیچے صحن میں ایک شور اٹھا۔

"اللہ!" جویریہ نے دل تھام لیا۔ "بنی! مراد چچا چل بسے شاید۔"

بنفشی جو ساری دنیا سے بیزار تھی۔ ماتھے پر بیزاری کی شکن ڈال کے بولی "اچھا ہوا دنیا کے دکھوں سے چھوٹ گئے، اب سکھ چین سے قبر میں آرام کریں گے۔"

نیچے سے انصاری صاحب عجیب سی دہشت میں اور مسرت بھری آواز سے بنفشی اور جویریہ کو پکار رہے تھے، دونوں ہی نے ایک ساتھ منڈیر سے جھانکا اور اگر خود کو سنبھالا نہ ہوتا تو نیچے صحن ہی میں جا گرتیں۔ ان کے سامنے مرحوم افتخار زندہ کھڑے تھے البتہ ہیئت کذائی فقیروں کی سی تھی۔ نہایت گندہ کیچڑ میں لتھڑا ہوا پاجامہ، جگہ جگہ سے دھجیاں قمیص اور بدرنگ، بدنما مفلر جو گلے سے لپٹا ہوا تھا۔

"افتخار بھائی!" ہذیانی چیخ جویریہ کے منہ سے نکلی اور وہ چار چار زینے پھلانگتی نیچے اتر گئی۔ اس کے پیچھے ساری جان سے کانپتی بنفشی بھی اتری۔ مگر سامنے جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ ستون کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ افتخار کے اطراف حویلی کے سارے افراد کھڑے تھے اور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

"افتخار بھائی! وہ آپ کے دشمنوں کے جان سے گزر جانے کی منحوس خبر کس نے اڑا دی تھی،" جویریہ ان کے سینے سے لگی تھی "کہاں تھے آپ، یہ آپ کی حالت کیسی ہو رہی ہے

بتائیے تو یہ تین مہینے تک آپ کہاں چھپے رہے تھے"۔

انصاری صاحب انھیں سب کے نرغے سے نکال لائے اور کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر منھ ہاتھ دھونے کے بعد جب وہ چند بسکٹ کھا کے چائے پی چکے تو بولے :۔

"عجیب کہانی ہے، کیا سناؤں، کیسے سناؤں؟ یہاں سے زمیندار کے نقلی کارندے کے ساتھ گیا تھا وہ میری ایک فصل مول لینا چاہتا تھا۔ مگر سب دھوکا تھا۔ جب میں اس کے گھر پہونچا تو تین چار بدمعاشوں نے مجھے پکڑ لیا اور زبردستی بیل گاڑی پر سوار کر کے نجانے کون سے ویران قصبے میں لے گئے وہاں ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ نہ پوچھیے کہ میرے دن رات کیسے گذرے، اتنی طویل مدت میں نے کس مشکل سے کاٹی ہے۔ کل اچانک زمیندار نے مجھے بلا بھیجا اور کہا کہ میاں مجھے معاف کرنا۔ میں کسی کی بدمعاشی کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اور اس کا ساتھ دیا تھا۔ مگر اب میں آج ہی حج کرنے جا رہا ہوں۔ اس لئے تمہیں رہا کرتا ہوں اور گھر جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ کیونکہ میں بدنہادوں کے کہنے میں آکر یہ بُرا کام کر بیٹھا تھا۔ مگر اب جبکہ میں دنیا کے سب سے بڑے دربار میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔ بھلا کسی کا گناہ اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ پھر اُس نے مجھ سے معافی مانگی اور یہاں تک آنے کے لئے پچاس روپئے دیکر تانگے پر بٹھا دیا۔ میں تو اور جلدی آجاتا۔ لیکن بارش کی وجہ سے رک گیا تھا"۔

"تو پھر! وہ آپ کے کپڑے ندی کنارے کس نے رکھ دئے تھے اور کون تھا وہ جس نے کپڑے یہاں پہونچا کے ایک جھوٹی منحوس خبر اڑادی تھی"، جویریہ نے پوچھا "ہماری تو دنیا ہی زیر و زبر ہو گئی۔ وہ کون بدمعاش تھا"۔

"پتہ نہیں!"، افتخار نے کہہ کر اک آہ بھری اور سر جھکا لیا "اللہ جانتا ہے"۔

حویلی میں ایک مسرور کن لہر دوڑ گئی۔ افتخار کی نئی زندگی سب کے لئے نئی زندگی تھی مگر

ہنبش کی موت بن گئی تھی۔ جتنی پاگل وہ ان کی خودکشی کی خبر سُن کے ہوگئی تھی۔ اس سے بڑھ کر بدحواس ان کے آنے سے ہوگئی۔

جب افتخار نہا دھو کے اور کپڑے پہن کے آدمی بنے اور تین ماہ کی ہونے والی روداد پوچھی تو پہلی خبر ہنبش کی شادی کی ملی۔

"جانتا ہوں!" بے حد دکھ کے ساتھ انھوں نے کہا "تقدیر کی بات ہے، قسمت کا لکھا ہنبش نے بھی بھگتا اور میں نے بھی، اب شکوہ کس کا۔ شکایت کیسی، وہ بھی تو مجبور ہوگئی تھی کیا کرتی۔ اچھا ہی ہوا۔ اُسے ایک محبت کرنے والا شوہر ملا، خوش تو ہے۔"

"خوشی نام کی کوئی چیز اس کی قسمت میں نہیں ہے بھیا!" جویریہ نے ساری رام کہانی اُنسے کہہ دی اور تصویر غم بن کر رہ گئی۔

"اب ہنبش کا فرض ہے کہ پرویز کو خوش رکھنے کیلئے ہر کوشش کرے اور خود بھی خوش رہے" وہ بولے "روز کی خانہ جنگی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ تم اسے سمجھاؤ!"

"آپ سمجھائیے گا انھیں، میری کون سنتا ہے،" جویریہ نے کہا

"نہیں! نہ میں اس سے ملوں گا۔ نہ سمجھاؤں گا" افتخار نے جواب دیا۔ "وہ عجیب اجنبی سے ہو رہے تھے، جیسے حویلی کے ماحول سے وحشت زدہ ہوں"

شام کو پرویز تفریح کر کے آئے اور بڑے تعجب حیرت اور مسرت کے ساتھ افتخار سے ملے۔ بار بار گلے سے لگایا۔ بار بار نئی زندگی پر مبارکباد دی اور دیر تک ان پر گذرنے والے سانحے کی تفصیل سنی، افتخار کے لبوں پر ایسی ناقابل فہم مسکراہٹ تھی کہ اس کا تجزیہ دشوار تھا۔ طنز، تحقیر تضحیک، بے یقینی کیا کچھ نہ تھا۔

ایک ہی حویلی میں رہتے ہوئے ہنبش کا سامنا بھی ناگزیر تھا۔ دونوں کا سامنا سنسان راہ داری میں ہوا تھا۔ افتخار ٹھٹک گئے، ہنبش سہم گئی۔

"اچھی تو ہو بنیش!" افتخار نے رسمی انداز میں پوچھا تھا۔ مگر جیسے بارود میں کسی نے ایک چنگاری پھینک دی، بنیش آنسوؤں، ہچکیوں کے درمیان بکھرے فقروں میں بولی:۔

"اب کیا پوچھتے ہو، اچھی رہی کہ زندہ مردہ برابر رہی، آپ کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ بس مجھ سے پیچھا چھڑانے کیلئے ایک ناٹک کیا تھا آپ نے، کیوں کیا ایسا۔ کہہ دیتے صاف صاف کہ بنیش تجھ سے جی بھر گیا۔ میں خود ہی راستے سے ہٹ جاتی۔ اتنا گاڑھا بہانہ بنانے کی آپ کو ضرورت ہی پیش نہ آتی۔"

"ایسی کوئی بات نہ تھی بنیش!" سنجیدگی سے افتخار نے جواب دیا۔ "میں نے جو کہا ہے وہ سچ کہا ہے، مجھ پر جو گزری ہے، وہی میں نے کہا ہے، تم تو میری زندگی میری کائنات تھیں۔ بھلا میں تم سے پیچھا چھڑا کے جی بھی سکتا سکون سے، یہ بدگمانی اپنے دل سے دور کر دو!"

"ہائے آپ نہ گئے ہوتے!" بنیش سسک کے بولی "میں دل کو سمجھا لیتی کہ میرا نصیب ہی اتنا برا ہے۔ مگر قسمت کی خوبی ہے کہ آپ آئے جب میری زندگی موت میں بدل چکی ہے، اب آپ کا ہاتھ مجھے کسی سے چھین بھی نہیں سکتا۔ آپ تو دل کو سمجھا لیں گے مگر مجھے تو اب یوں ہی سسک سسک کے مرنا ہے۔"

"نہیں بنیش! اب ایسی باتیں نہ کرو!" افتخار نے سمجھایا "یہ ناسمجھی اور لڑکپن کی باتیں ہیں اب تم میرے دوست کی بیوی ہو، اس کی امانت، اس کے رازوں کی امین، میں تمہارے لئے غیر اور اجنبی ہوں، اور اب چاہتا بھی نہیں کہ تم سے بات چیت کروں یا تم میرے سامنے آؤ! دوری میں سکون ہے نجات ہے۔ قرب بڑی خرابیاں پیدا کر دیتا ہے۔ سمجھیں!"

"ہاں اب وہ ہی کیا گیا ہے" اب تو مرضی سے نامرضی سے زندہ رہنا ہے۔ مگر سچ بتائیے کیا سچ مچ آپ کو کسی نے قید کر دیا تھا۔ کس کا کیا بھلا تھا اس میں؟"

"جس کا بھلا تھا اس کا بھلا ہو چکا" افتخار زہریلے انداز میں ہنسے "اب اس ذکر سے

کیا حاصل۔ مقدر میں جو کچھ لکھا تھا اور جو لکھا ہوتا ہے اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ تم میری تقدیر میں نہیں تھیں بس، میں نے قسمت کے لکھے سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

"آپ نے کر لیا ہے۔ میں کیسے کروں! میری زندگی عذاب ہے، آپ کو معلوم نہیں آپ کے دوست نے نجانے کس بات کا انتقام مجھ سے لیا ہے، اب بات بات پر طعنے ہیں۔ لعنت ملامت ہے، خفگی ہے نفرت ہے، ابھی تو خیر سے ابتدا ہے آگے کیا ہوگا۔ کیا ساری زندگی اسی طرح گذارنی پڑے گی؟"

"میں انھیں سمجھاؤں گا۔ تم ان کے حق میں خدا کا انمول اور خوبصورت تحفہ ہو اور اللہ کی نعمت ہو، تمہاری قدر کریں۔"

"نہیں آپ اس بدتمیز آدمی کے منھ نہ لگئے گا۔ نہ جانے آپ کو بھی کیا کہدے۔"

"کاش بیٹی! میں زمیندار کے نقلی کارندے کے فریب میں نہ آیا ہوتا" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ مگر دیر تک بینش وہیں کھڑی سسکیاں لیتی رہی۔ دونوں ہی کو خبر نہ تھی کہ دروازے کی آڑ میں پرویز کھڑے سب کچھ سن رہے تھے اور لمحہ بہ لمحہ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

پھر وہ دفعتہً وہ بینش کے سامنے آگئے۔ وہ سہم گئی۔

"اچھا تو میری عدم موجودگی میں عشق و محبت کے کھیل ہوتے ہیں۔ اب میں سمجھا کہ مجھ سے تم اتنی برگشتہ کیوں تھیں۔ ابھی تک اس شخص کا خیال تمہارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے خدا ہی جانے، مرنے کے بعد بھوت بن گیا ہے کہ آسیب، آخر میری زندگی میں آگ لگانے کیلئے یہ زندہ ہو کے آیا ہی کیوں ہے، جس نیک آدمی نے اسے قید کر دیا تھا اس نے رہا کیوں کر دیا۔"

"وہ میرے بھائی ہیں،" غصے میں کانپتی آواز میں بینش بولی "میرے محسن ہیں، مجھے انھوں نے پناہ دی تھی، میرے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ میری دس ہزار بار شادیاں ہو جائیں مگر ان سے رشتہ ناطہ نہیں ٹوٹ سکتا ہے، کبھی نہیں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ ٹوٹ جائے" پرویز نے جواب دیا

"ناممکن ہے!" ہنیش بولی

"تو تم ان سے طلاق رہا کرو گی؟"

"کیوں نہیں؟"

"میرا حکم ماننا تمہارا فرض ہے یا نہیں؟"

"آپ شک شبہے کے کیڑے دماغ سے جھاڑیئے تو ہے ورنہ نہیں" ہنیش پہلے کی سی تیز طرار بن چکی تھی، پرویز کی ناشائستہ حرکتوں اور گری ہوئی باتوں سے وہ بہت ہی متنفر ہو چکی تھی انھیں بس اسی قدر شوہر جانتی تھی کہ نکاح ہو گیا تھا۔ کوئی قدر و منزلت ادب و حیثیت اس کے دل میں نہ تھی۔ نہ ہی وہ ان کا احترام کرتی تھی۔

پرویز کی زبان جواب میں آگ اگلنے لگی۔ مگر انھیں بکتا جھکتا چھوڑ کے ہنیش چلی گئی۔

روز رات کو وہ دریا کے کنارے ٹہلنے جاتے تھے، وہ رات عجیب تھی کہ پرویز نے اپنے ساتھ افتخار کو بھی چلنے کی دعوت دی، بادل تلے کھڑے تھے، پھوار برسنے لگی تھی، بارش کوئی دم میں ہونے والی تھی۔ طاہرہ بیگم نے دونوں کو باہر جاتے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

"اب ندی کے کنارے سنسان ویران جگہ جا کے ٹہلنا کیا ضروری ہے، آتے آتے بارش میں بھیگ ہی تو جاؤ گے، کھانا ہضم کرنا ہے پچھواڑے چہل قدمی کر لو۔"

ایک وحشی درندے کی طرح پرویز ماں سے بولے "گھر سے قدم نکالتے وقت مت ٹوکا کرو ہزار بار منع کیا۔ مگر آپ کے بوڑھے دماغ میں کوئی بات سماتی ہی نہیں۔"

"ارے! اس طرح نہیں بولتے ماں سے، میرے بھائی!" افتخار کو ناگوار گزرا۔ مگر پرویز نے پاؤں آگے بڑھا دئے۔ مجبوراً افتخار نے بھی ساتھ دیا۔

ندی پچھلی بارشوں میں چڑھی مہیب آواز میں بہہ رہی تھی پانی کناروں سے چھلک رہا تھا

جو مکئی کے کھیت میں بھی در آیا تھا، ہر طرف پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ آدم نہ آدم زاد، حتیٰ کہ شب بیدار پرندے بھی خاموش تھے، پانی کی بھیانک آواز کے علاوہ اور کوئی بھی جان بخش آواز نہ تھی۔ کنارے پر کے املی اور نیم کے گھنیرے سے درختوں پہ پھوار پڑ رہی تھی ان کی گونج بھی ڈراونی تھی۔ پھر سناٹے کی گرج ہی کیا کچھ کم ہیبت ناک تھی۔

افتخار خاموش تھے اور پرویز کا برہم انداز دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے گفتگو میں پہل کی کی "افتخار ہم تم گہرے دوست ہیں۔ کہتے ہوئے حجاب آتا ہے مگر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ بھائی اب جب کہ تقدیر نے تمہاری دیرینہ آرزو میری قسمت سے وابستہ کردی ہے۔ تم بنش سے دور ہی رہو تو وہ سکون سے جی سکے گی۔ تم کو معلوم نہیں کہ اس نے اپنی اور میری زندگی جہنم بنا رکھی ہے، تمہارا خیال اس طرح دماغ پر مسلط ہے کہ وہ مجھ سے نہ سیدھے منھ نہ بولتی ہے اور نہ میرا اس طرح خیال کرتی ہے، جیسا کہ ایک شوہر کا کرنا چاہیئے اب تم خود سوچو کہ سیدھی اور سادی زندگی گذارنے کیلئے مجھے کون سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔"

"برا نہ ماننا پرویز!" افتخار نے جواب دیا "اب تک جو طرزِ عمل تم نے بنش کے ساتھ اختیار کیا وہ کون سا لائق تعریف اور شریفانہ ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ تم اس پر ہاتھ بھی اٹھانے لگے ہو۔ آخر میں اس کا بھائی تو ہوں ہی، کیا میں یہ سب گوارہ کر سکتا ہوں۔ آج تک میں نے اُسے بڑے آرام سے رکھا ہے، میں سمجھتا تھا کہ اسے میں دائمی آرام دوں گا مگر تقدیر خفا ہو گئی۔ اُسے تم سے منسوب کر دیا۔ ایک پسندیدہ ہستی کو تو خوش و خرم رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے!"

"افتخار! اگر تم درمیان میں نہ رہو تو شاید میرے لئے یہ ممکن ہو سکے گا"، پرویز نے کچھ عجیب سے لہجے میں کہا۔

"میں درمیان میں رہنا بھی نہیں چاہتا ہوں۔" افتخار نے بڑے ناخوشگوار انداز میں کہا "لیکن تم ہی بتاؤ یہ کس طرح ممکن ہے، میں اپنی حویلی۔ کرایہ دار کا کرایہ، کھیت، بوڑھے چچا یتیم بھانجی اور بیوہ بہن کو چھوڑ کے آخر کہاں چلا جاؤں کہ تم سے دُور ہو جاؤں۔ اس طرح میرا کتنا نقصان ہوگا۔ اور جو مجبور و مفلس عزیز میرے سہارے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا۔ تم ہی کیوں نہ شہر چلے جاؤ۔ وہاں تو شاید عمر بھر میری شکل میرا سایہ تم کو نظر نہ آئے۔"

"یہ بھی ناممکن ہے،" پرویز بولے "میری تعلیم بھی نامکمل رہ گئی ہے۔ میں کہیں ملازم بھی نہیں۔ اب تو ابا کے ذاتی مکان کے کرائے پر میری بھی گذر بسر ہے، شہر جا کے کیا میں رکشا چلاؤں گا۔ بھیک مانگوں گا۔"

"اس قدر برہم کیوں ہو رہے ہو پرویز!" افتخار نے کہا "تم آخر چاہتے کیا ہو۔ کیا تمہاری خاطر میں سنیاس لے لوں۔ مجھے بھی تو زندگی گذارنے کے روپیہ پیسہ چاہیئے۔ میری بسر اوقات بھی کرائے ہی پر ہے۔"

"تو تم ہمیشہ اس کے سامنے موجود رہو گے۔ تاکہ وہ میری ہو کے بھی میری نہ ہو سکے۔"

"وعدہ تو کر رہا ہوں کہ اب تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔"

"کھوکھلا وعدہ ہے افتخار! ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے میں نے تم دونوں کی گفتگو سنی ہے"

"کیا وہ قابل اعتراض تھی؟" افتخار نے پوچھا

"ایک غیر شخص کی بیوی کے لیے تو تھی!"

"واہ کیا خوب!" افتخار ہنسے "غیر شخص کی بیوی، کیا میری بہن نہیں ہے؟"

"محبوبہ ہے، بہن نہیں ہے" پرویز کی آواز اونچی ہو گئی۔ "مجھے نہ تم پر اعتماد ہے اور نہ اس پر، آج میں نے اتفاقاً تم دونوں کی باتیں سُن لی ہیں۔ معلوم نہیں یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے۔ کب تک چلتا رہے گا۔ کیا میں ہمیشہ جاسوسی ہی کرتا رہوں گا۔"

"پرویز!" افتخار کی آواز بھی بلند ہو گئی "تم اس ناکردہ گناہ کا الزام دے رہے ہو!
تہمت رکھتے ہو ہم پر۔ بہتان لگا رہے ہو؟ حالانکہ اس معصوم کا دل بھی صاف ہے اور
میری نیت میں بھی فتور نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ تم میرے مجرم ہوتے ہوئے دیدہ دلیری کے ساتھ
مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔ کیا میں جانتا نہیں کہ بینش کے حصول کے لئے تم نے کیسے رکیک اور
ناجائز قدم اٹھائے ہیں۔ پھر بھی تمہاری عزت اور وقعت بچائے رکھنے کیلئے میں چپ رہا ہوں
میں نہیں چاہتا ہوں کہ انصاری صاحب جیسے نیک نفس اور معصوم بزرگ کو تمہاری غیر شریفانہ
حرکتوں کا صدمہ پہونچے، اگر آج میری زبان کھل جائے تو تم پر بھی لعنت ملامت کے دروازے
کھل جائیں۔ پرویز اب تمہاری عزت میرے ہاتھ میں ہے اس لئے تمہیں خاموشی سے شرافت
کی زندگی اپنانی چاہیئے! سمجھے"

"میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے!" پرویز نے قہقہہ لگایا "میری غیر شریفانہ حرکتیں
کیا ہیں۔ کیا جانتے ہو تم، لعنتوں کے دروازے مجھ پر کیوں کھل جائیں گے؟"

"بہت دلیر ہو پرویز! بہت ہی دلیر" افتخار کے لہجے میں ملامت ہی تھی "میں تمہیں ایسا خود غرض
کینہ پرور، مطلبی اور مفاد پرست نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے تمہیں بھائی کہا تھا اور بھائی سمجھا بھی تھا
مگر تم نے میری امانت پر بری نگاہ ڈالی۔ ورغلایا اسے اور پھر بھی تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو تم نے
مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زمیندار کے نقلی کارندے میراں صاحب کی مٹھی گرم کی۔ مجھے دھوکے
دیئے، اور دھوکے سے زمیندار کے پاس بھیجا۔ نہ جانے اس بدمعاش سے کیا کہا تھا اور آگے
کس طرح اپنا ہمنوا بنایا تھا کہ میں خواہ مخواہ اس کی قید میں سڑتا رہا۔ اگر اس کے دل میں
خدا نیکی نہ ڈالتا اسے حج کی توفیق نہ ہوتی تو شائد وہ تمہارا کچا چٹھا اور اپنا جرم مجھ سے نہ کہتا
اس نے مجھ سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔

مجھ پر یہ ستم ڈھاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ تم مجھ پر میری ساری خوشیوں کے دروازے

بند کر رہے ہو، میری جائز اور دیرینہ تمناؤں کو اجاڑ رہے ہو۔ بے چاری بنیش تک میری خودکشی کی جھوٹی خبر پہونچائی، نہ جانے کب میرے کپڑے چرائے اور انھیں کیچڑ میں لتھڑ کر بنیش تک پہونچا دئے، وہ غریب بے بس لڑکی اسے سچ سمجھی اور خود کو بے سہارا جان کر تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آگئی، تمہاری ہو گئی، یہی چاہتے تھے نا تم۔ تمہارا مقصد پورا ہو گیا اور اب تم مجھ غمزدہ، دلگیر اور بدنصیب آدمی سے یہ مطالبہ کر رہے ہو کہ تمہارے سکون اور تمہاری خوشی کی خاطر میں بن باس لے لوں، کیسا اچھا انعام دے رہے ہو مجھے تم۔ پرویز تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"اور کیا بتایا تھا اس مکار خبیث نے؟" غصے سے پھٹی ہوئی آواز میں پرویز نے پوچھا

"کیوں کیا یہ ناکافی ہے تمہارے لئے؟" افتخار نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"میں سمجھ لوں گا اس سے اور تم سے تو اسی وقت سمجھے لیتا ہوں" پرویز جو غصے، شرمندگی اور توہین کے احساس سے اندھے ہو چکے تھے اور گھر سے اتمام حجت کا ارادہ کر کے چلے تھے انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، نہ کچھ آگا پیچھا سوچا، اپنی خونی غیظ آلود آنکھوں سے افتخار کو گھورا اور جیب سے ایک دھاردار خنجر نما چھرا نکالا اور ہاتھ بلند کر کے افتخار کے سینے میں دستے تک اتار دیا۔ افتخار کی دردآلود چیخ کے ساتھ ان کے سینے سے خون بڑی مقدار میں ابلا، وہ زمین پر گر پڑے، خون ان کے سینے سے ابلتا رہا۔ پرویز نے ان پر بڑی نفرت بھری نگاہ ڈالی اور پھر دوڑ کر ندی کے کنارے آئے، پوری قوت سے ہاتھ گھما کر خنجر تیز رفتار ندی میں پھینکا۔ اپنا خون آلود ہاتھ دھویا۔ اور موسلا دھار بارش کی پروا کئے بغیر انجان راستے پر بھاگتے چلے گئے۔

اگر بڑے آدمی بستر مرگ پر سے زندہ اٹھ آتے ہیں تو سخت جان کہلاتے ہیں۔ مگر اچھے انسانوں کو کسی مہلک اور جان لیوا حادثے سے بچ جانے والے کو تقدیر کا دھنی کہتے ہیں۔

بارش صبح کے قریب بند ہوئی اور گوالے جب اپنے جانوروں کے ندی کی طرف گئے تو وہاں ایک انسان کو خون پانی اور کیچڑ میں لت پت پڑا دیکھا۔ پہلے تو گاؤں کے جانے پہچانے گوالے اسے کوئی گم گردہ راہ مسافر جانا۔ مگر جب سیدھا کیا گیا تو بہتیروں کی چیخیں نکل گئیں۔ سارے گاؤں اور حویلی میں ہاہاکار مچ گئی۔ سب کی زبان پر یہی تھا کہ کسی دشمن نے گاؤں کے سب سے زیادہ نیک اور مخلص ترین آدمی افتخار صاحب کو قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن ابھی ان کی حیات کی ڈور ٹوٹی نہ تھی۔ ان میں سانسوں کی رمق دیکھ کر گاؤں کے بڑے لوگ فوراً انھیں بڑے اسپتال لے کے بھاگے، وہاں ان کا علاج ہوا۔ ڈاکٹروں نے اندازہ لگایا کہ قاتل نے نشانہ دل ہی کا لیا تھا مگر شاید وہ گھبرایا ہوا تھا یا پھر اندھیرے میں نشانہ چوک گیا۔ وار ذرا کندھے سے نیچے پڑا۔ مگر رگیں تو کاٹ ہی دی تھیں۔ خون بہت بہہ گیا تھا۔ بارش نے اسکے لئے سرد خانے کا انتظام کیا اور قدرت نے ان کا زخم خود دھو دیا تھا۔ پندرہ دن بعد افتخار میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور موت کے منہ سے وہ نکل آئے۔

لیکن بہت دن گذر گئے اور افتخار کا پتہ نہیں چلا اس رات ندی میں سیلاب آگیا تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ جب چار دن بعد پانی اترا تو دو تین لاشیں ملیں جنھیں

مچھلیوں نے بگاڑ دیا تھا۔ ایک شخص کے جسم پر ولیا ہی ململ کا کرتا تھا جیسا کہ اس شب کو پرویز نے پہن رکھا تھا۔ بس اسی سے شناخت ہو سکی کہ وہ پرویز کی لاش تھی! چہرہ مچھلیوں نے اس طرح کھایا تھا کہ شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔

قضا و قدر کے کھیل انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔

انصاری صاحب کی کمر بیٹھ گئی، ایسے غم نصیب ہوئے کہ بولنا بھول گئے۔

طاہرہ بیگم سمجھتی تھیں کہ انھیں بیوہ نند کی آہیں لگی تھیں۔ وہ بد دعا دے گئیں کہ پرویز بھی اچھا نہ رہے گا۔ وہ اچھا نہیں رہا۔ ناشاد نامراد جوانی کے عالم میں چل بسا۔

جویریہ اور بنفشہ ایک دوسرے کی غم گسار رہ گئی تھیں۔ بنفشہ نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اکیس سال کی عمر میں بیوگی کی سفید چادر اوڑھے گی، اپنی ظالم تقدیر کے اس وار سے وہ بچ رہی اب اس کا کام آنسو بہانا ہی تھا۔ پھر چند دن بعد اسے گمان ہوا کہ وہ دوسرے حال سے ہو گئی ہے، بس ایک لرزہ خیز سنسنی اس کے سارے بدن میں پھر گئی۔ کیا ایسا ممکن تھا! اسے بولائی سی دیکھ کر جویریہ نے کہا۔

"لوگ کہتے ہیں بیٹی کہ گذرتا ہوا وقت انسان کے ہر زخم کا اندمال بن جاتا ہے۔ مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ جو وقت گذرتا ہے وہ تمہارا زخم گہرا اور تازہ کر دیتا ہے۔ کب تک رو رو گی اتنے بہت سے آنسو تم کو کہاں سے مل گئے ہیں۔ کسی صورت ختم ہی نہیں ہوتے ہیں، کب صبر آئے گا؟"

"جوجی! میں نے تقدیر کو صبر و شکر سے بھگت لیا تھا" بنفشہ بولی "مگر جو نئی افتاد پڑی ہے اس سے پریشان ہوں!"

"کیا ہوا ہے بیٹی! تم تو مارے سفید ہو رہی ہو" جویریہ نے پوچھا

"جوجی وہ چلے گئے مگر اپنی نشانی مجھے دے گئے" چہرہ چھپا کر وہ بولی۔

"کیا؟" خوشی سے جویریہ چیخ کر بولی

"ہاں: میں اسے اندازے کا دھوکا سمجھی تھی۔ مگر تین مہینے ہو چکے ہیں" بینی شرم سے ہکلاتے ہوئے بولی۔

"کیا کروں جویریہ؟ مجھے یہ عذاب نہیں چاہیئے، میرے ساتھ قصبے کی ڈاکٹرنی کے پاس چلو۔ گلو خلاصی ہو جائے"

"پاگل ہوئی ہو بینی! خبردار سوچنا بھی نہیں" جویریہ نے اسے لپٹا کے کہا "اللہ نے تم پر رحم کیا ہے، تم کو دل بہلانے کا کھلونا دیا ہے، ناشکری نہ کرو، خدا کرے خیر سے تمہاری گود میں پھول کھلے، میرے دل کو خوشی نصیب ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اب خالہ بنوں گی۔"

وہ اسے چوم کر بھاگی اور طاہرہ بیگم کو خوش خبری سنادی۔

وہ بچاری جوان بیٹے کی ناگہانی موت سے زندہ درگور تھیں۔ مگر جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑ گیا۔ ان کا بوڑھا چہرہ کھل گیا۔ لیکن اظہار مسرت سے وہ عاری تھیں۔ ان کا دماغی توازن گڑبڑ ہو گیا تھا۔ شعوری طور سے انھوں نے جواں مرگ بیٹے کی موت قبول نہ کی تھی۔ جب بھی کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا تو بڑی امید سے وہ کہتیں۔

"کھول دو دروازہ وہ آگیا۔"

دن گذرنے گئے اور ان کا دماغ بھٹکتا ہی رہا۔ وہ پھر صحیح الدماغ نہ ہو سکیں! انصاری صاحب نے البتہ کہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے، اس کی نشانی کو دیکھ کے خوش ہو لیں گے۔"

افتخار اب حویلی ہی میں رہتے تھے لیکن وہ پچھلے والے خوش مزاج، ہنس مکھ، لطیفہ پسند افتخار نہ تھے اب وہ بے حد سنجیدہ خاموش اور غمزدہ آدمی تھے، ویسے حویلی کے مالک

ادھر کرتا دھرتا وہی تھے۔ سب کی خبر گیری کرتے، انکی ہمدردی، نیک نفسی اور خلوص جوڑ کا توں ہی تھا۔

جویریہ کی زبانی ہبنیش کے ماں بننے کی خبر نے انھیں مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ بہت خوش ہوئے اور قصبہ کی واحد لیڈی ڈاکٹر مسز بخشی کو تاکید کر دی تھی کہ ہر دوسرے ہفتے حویلی آکر ہبنیش کو دیکھ لیا کرے۔

ہبنیش اتنی غمزدہ اور دل گرفتہ تھی کہ دنیا کی طرف راغب کرنا بڑا سخت کام تھا۔ جویریہ کی شکایت پر افتخار نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہبنیش! انسان تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا ہے انسان تقدیر بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا جب اسے انگیز کرنا ہی ہے تو صبر شکر سے اور خدا کی مرضی کے مطابق کیوں نہ انگیز کیا جائے تم پریشان ہو۔ مضطرب ہو، ماضی کو یاد کرتی رہتی ہو اس سے اب کیا حاصل؟ جو لمحہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے واپس نہیں آتا ہے زندگانی آدمی کو بہت تھوڑی ملی ہے ہبنیش میں چاہتا ہوں تم سب کچھ بھول کے از سر نو زندگی کو خوش آمدید کہو۔ وہ جینا کوئی جینا ہے جو صرف اپنے لئے ہو، کیا تم خود کو اکیلا سمجھتی ہو، ہم نہیں ہیں تمہارے ساتھ۔ ہم بھی تو مغموم ہیں۔ کیا ہم ایک دوسرے کیلئے ایثار نہیں کر سکتے، کسی کو تھوڑی سی مسکراہٹ نہیں دے سکتے ہیں؟"

وہ ایک دفعہ اور آخری بار خوب جی بھر کے روئی اور حالات پر قانع ہو گئی۔ عجیب بات تھی افتخار اس کے سامنے تھے اور وہ ان ہی کے لئے مضطرب تھی۔ پرویز کو تو اس نے کبھی یاد نہیں کیا۔

ان دنوں مراد صاحب بہت بیمار رہنے لگے تھے اور ایک دن دنیا کے دکھوں سے آزاد ہو گئے ان کی عبرت ناک موت کا انصاری صاحب پر بہت شدید اثر تھا جس دن

ان کے بیٹے کی خوب صورت نشانی ننھی سی پوتی دنیا میں آئی۔ اسی دن۔ بس اس کی صورت دیکھی اور چل بسے۔

ان کے بعد طاہرہ بیگم پر دماغی دورے پڑنے لگے، بہت بری کیفیت تھی ان کی کسی کو پہچانتی نہ تھیں۔ راتوں کو دروازہ کھول کر نکل جاتیں۔ ایک دن یوں ہی نکل گئیں۔ تلاش کرنے پر ملیں اپنے شوہر کی قبر پر گری، کتبے کو سینے سے لگائے ہمیشہ کی نیند سو رہی تھیں۔

ایک خاندان کا افسانۂ زندگی یوں ختم ہو گیا۔

بینش کی بچی ورده ڈھائی سال کی ہو گئی تھی وہ سب کا کھلونا اور افتخار کی تو جان ہی تھی۔ جویریہ نے اس خیال سے کہ بڑی ہو کر وہ اپنے باپ کو کہیں نہ پوچھے افتخار کو ڈیڈی کہنا سکھا دیا تھا۔ دن بھر وہ چڑیا کی طرح چہکتی پھرتی۔ بینش تو بس اسے جنم ہی دینے بھر کی ماں تھی۔ اصلی ماں باپ تو جویریہ اور افتخار تھے اس کی ساری کفالت بھی افتخار ہی کے ذمہ تھی۔ بینش کا دل کچھ ایسا سرد تھا کہ وہ کسی بات میں نہ تو دخل دیتی تھی اور نہ دلچسپی لیتی تھی۔

دن گذرتے گئے، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سال میں بدلے، افتخار کے ایک دوست نے جویریہ کا پیغام دیا تھا۔ شریف آدمی تھے، پڑھے لکھے، کالج میں لیکچرر تھے، افتخار نے بینش سے ذکر کیا تھا اس نے جواب دیا۔ "مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں آپ، جویریہ راضی ہو اور آپ کو وہ صاحب پسند ہوں تو طے کر لیجئے رشتہ!"

"جویریہ بھلا کیا کہے گی!"

جویریہ کی شادی ضروری تھی! بینش اور نجمہ نے مل کر تیاریاں کیں اور جویریہ کی شادی لیکچرر الطاف احمد سے ہو گئی چونکہ ان کی والدہ اور بڑی بہن سوتیلی تھیں، ان سے الطاف احمد کی

بنتی نہ تھی لہذا افتخار نے انھیں بھی حویلی ہی میں آباد کر لیا تھا۔

سال بھر بعد نجمہ کی بھی قسمت جاگی، ان کے کوئی رشتہ دار بھائی اُن سے ملنے آئے تھے انھوں نے نجمہ کی کسمپرسی دیکھتے ہوئے ان سے نکاح کر لیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ اب سب کی تقدیریں عمدگی سے کروٹیں بدل رہی تھیں، پندرہ سال کی چھوٹی عمر میں نزہت کی بیاہ کر دوسرے قصبے میں چل دی۔

اکثر جویریہ نے افتخار سے اکیلے میں کہا تھا کہ پرویز کو ختم ہوئے دس بارہ سال گذر چکے اب وہ بینش سے نکاح کر لیں۔ مگر ایک بڑا راز افتخار کے خانۂ دل میں پوشیدہ تھا.....؟ انھیں یقین تھا کہ پرویز کبھی نہ کبھی ضرور آئیں گے۔ اگر وہ یہ بات کسی سے کہتے تو پھر ساری تفصیل بھی سنانی پڑتی۔ بس وہ ٹال گئے کہ اب وردہ کی پرورش ہی انکی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ بڑی ہو رہی تھی، سمجھدار تھی، جبکہ اسے معلوم تھا کہ بینش اس کی ماں اور افتخار اس کے باپ ہیں تو پھر نکاح کیا معنی؟

جویریہ بھی معقول جواز سن کر چپ ہو گئی۔

حویلی میں ایک دفعہ پھر آبادی ہو گئی تھی، وردہ، جویریہ کے بچے، احتشام اور ریما حویلی میں شور مچاتے، الطاف احمد اور افتخار احمد بھائیوں کی طرح رہتے تھے، وردہ عمر کی آسان منزلیں طے کرتی سترہویں زینے پر آکھڑی ہوئی تھی۔

اور اب ایکبار پھر بارشوں کا موسم تھا۔ مسلسل بارشیں ہو رہی تھیں، دس بجے رات کو افتخار باہر سے آئے تھے، انکی برساتی سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وردہ تخت پر بیٹھی پڑھ رہی تھی، کتابیں ایک طرف رکھ کے جلدی سے اٹھی اور افتخار کے ہاتھ سے بھیگی برساتی لیکر ہینگر پر لٹکاتی ہوئی بولی:۔

"ڈیڈی! آج شام کو ایک صاحب آئے تھے معلوم نہیں کون تھے؟

کہ وہ نانا جان کے پرانے ملاقاتی ہیں۔ دیر تک اوپر کے کمرے میں بیٹھے رہے تھے، پھر نانا جان نے اور زینت باجی کو پوچھا، ان کے کچھ کاغذات بہار بھیجے، وہ دیکھے اور جاتے جاتے احتشام کو آٹھ سو روپئے دے گئے۔ آپ انھیں جانتے ہیں ڈیڈی؟"

"تم نے نام پوچھا تھا ان کا؟" افتخار نے تھکن کی آہ بھر کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "بہت تھک گیا ہوں بینش! خنکی محسوس ہو رہی ہے۔ اگر تم چائے بنانے جا رہی ہو تو ایک پیالی مجھے بھی دینا!"

"کچھ کھائیے گا نہیں؟" بینش بولی

"نہیں، صرف چائے؟"

"نام امی نے پوچھا تھا" وردہ بولی "شاہد نام بتایا تھا۔"

"ہاں وہ تو جانے پہچانے سے تھے، سبھی کو پوچھ رہے تھے" جویریہ نے کہا "آپ کے عزیزوں میں کیا کوئی صاحب شاہد نامی بھی ہیں؟"

"میرے عزیزوں اور ملاقاتیوں میں شاہد نام کا کوئی آدمی نہیں" افتخار نے کہا "ہو سکتا ہے کہ تمہارے ابا صاحب کے رشتے داروں میں ہو۔ میں تو نہیں جانتا ہوں۔ اچھا۔ ہاں کیا ان صاحب نے پھر آنے کو کہا ہے؟"

"جی نہیں!" وردہ بولی "میں نے پوچھا تھا انھوں نے کہا کہ اب ادھر آنا نہیں ہوگا وہ الخوبر سے آئے تھے، ڈیڈی! میں نے پردے کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تھا۔ یہ بڑی داڑھی تھی اُن کی!"

"نجانے کون صاحب تھے، پھر آتے تو معلوم ہوتا، کچھ کہا تھا کہ رہتے کہاں تھے؟" افتخار نے بینش کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا "تم نے پی بیٹی!"

"مغرب کو پی تھی!" بینش اب ان سے بات چیت کرتے ہوئے بہت جھجکتی تھی، مگر افتخار کا

والہانہ اور مخلصانہ سلوک دہی تھا جو برسوں سے چلا آرہا تھا۔

"ہاں! ڈیڈی وہ کہہ رہے تھے کہ بس اسٹیشن کے پاس جو ہوٹل ہے وہیں ٹھہرے ہیں" وردہ یاد کر کے جھٹ سے بولی "مگر کون سے بس اسٹیشن، یہاں تو کئی ایک ہوں گے۔"

"کیوں بیٹی! تم ان صاحب کے بارے میں اتنی سنجیدہ کیوں ہو رہی ہو؟" افتخار نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"معلوم نہیں ڈیڈی!" وردہ شرسار سی ہو کر بولی "جب میں نے انھیں دیکھا تو وہ اتنے اپنے اپنے سے کیوں لگے، میں نہیں جانتی۔"

"ہاں تبھی سے اسے یہی رٹ لگی ہے،" جویریہ نے کہا "اتنی بیوقوف ہے، ہر بوڑھا اور جوان جو اسے اچھا لگتا ہے بس اپنا معلوم ہوتا ہے، پاگل کہیں کی۔"

"تو بھائی اس میں حرج کیا ہے، میری بیٹی ایک حساس دل رکھتی ہے، ایک غریب الوطن مسافر کے بارے میں اگر اسے اپنائیت نظر آتی ہے تو کل صبح کو ان حضرت کا پتہ چلا کر انھیں ساتھ لے آؤں گا کہ جناب چلیئے! میری بیٹی کو آپ اچھے اچھے لگتے ہیں" افتخار ہنسنے لگے۔

"ہاں چاہتی تو میں بھی ہوں،" جویریہ نے بھی تائید کی۔ "کون تھے آخر، سب کو کیسے جانتے ہیں اور کیوں احتشام کو اپنا بھرا ٹوا بخش گئے۔"

"بھرا ہوا بٹوہ!" افتخار نے چونک کر کہا "کہاں ہے، لاؤ! ذرا مجھے یہ بٹوہ دکھاؤ"

جویریہ نے احتشام سے کہا کہ وہ بٹوہ لا کے دکھائے، وہ اپنا ہوم ورک کر رہا تھا بٹوہ کتاب کے نیچے سے نکالا اور افتخار کو دے آیا۔ اس پر نظر پڑی تھی کہ افتخار کے ہاتھ میں پیالی جلترنگ بجانے لگی۔

بالآخر پیالی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

"کیا ہوا؟" بینش اور جویریہ دونوں ایک زبان ہو کر بولیں۔

مگر جواب دئے بغیر وہ اٹھے اور لمبے قدم رکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ بٹوہ ان کی بھینچی ہوئی مٹھی میں ایک جاندار چیز کی طرح بند تھا وہ اسے پہلی نظر میں پہچان گئے تھے ان کا دل دھڑک رہا تھا اور زبان سوکھی جارہی تھی، وہ بے تابی کے ساتھ کمرے کی وسعتوں میں ٹہلنے لگے۔

"تو میرا اندیشہ صحیح نکلا" انھوں نے زیر لب کہا "سترہ اٹھارہ سال بعد کوئی نا معلوم کشش بالآخر تمہیں لے ہی آئی ہے، اب کیا ہوگا۔ سب کے نزدیک مرحوم تم کو ہوئے ایک مدت گذر چکی ہے، اب تم سب کے دلوں سے سب کے ذہنوں سے نکل چکے ہو۔ گڑے مردے اکھاڑنے اب یہاں تم کیوں آئے ہو، اپنے بارے میں تم کہو گے کیا؟ تمہاری زبان سے یہ خوفناک اقرار نکل بھی سکے گا کہ تم اپنے بے ضرر رقیب کو قتل کر کے بھاگ گئے تھے، اور تم کیا صورت دکھاؤ گے۔ اپنی معصوم اور ناکردہ گناہ بیوی کو، پرویز، پرویز! ساکن سمندر میں اپنے وجود سے ہلچل پیدا کرنے کاش تم نہ آتے!"

وہ مضطربانہ انداز میں ٹہلتے رہے سوچتے رہے،

بینش اور جویریہ حیران تھیں۔

"انھیں کیا ہوگیا ہے جوری؟" بینش بھی پریشان ہو رہی تھی "ہاتھ کانپا، پیالی گر گئی اور وہ اٹھ کے چلے گئے"۔

"تم تو خفقانی ہو گئی ہو بینی!" جویریہ نے کہا "کچھ یاد آ گیا ہوگا"۔

"خالو جان آگئے" دروازہ بولی۔ الطاف احمد نے بھی برساتی اتار کے الگ لٹکائی اور دروازے سے بولے۔

"بیٹی، میرے لئے خوب گرم گرم کافی لے آؤ۔ اسکوٹر خراب ہو گیا۔ دور سے اٹھے

گھسیٹتا ہوا پیدل چلا آرہا ہوں۔"

"ابھی لائی خالو جان!"

جویریہ ان کے کپڑے نکالنے چلی گئی۔ الطاف احمد اس کے پیچھے پیچھے چلے گئے بینش کا جی بہت گھبرا رہا تھا۔

وہ احتشام کے پاس جا کے بیٹھ گئی اور اس کی بھولی بھالی میٹھی میٹھی باتیں سننے لگی اور جی بہلانے لگی۔

ہوٹل میں صبح کی اولیّن ساعتوں کے ساتھ ہی شور وغل ہونے لگا۔ ساری رات بڑی دیر تک عجیب بیقرار گذری تھی، کتنی دیر وہ ٹھنڈے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے اور جب اضطراب بڑھ گیا تو ہوٹل کی بالکونی میں جا کھڑے ہوئے۔

بارش کا زور و شور ویسا ہی تھا۔ پانی ایک رفتار سے برسے جا رہا تھا۔ پانی کی چلمن کے پار دور عمارتوں کی روشنیاں لرز رہی تھیں، نیچے سڑک سنسان تھی۔ یک بیک ان کا دل گھبرانے لگا۔ انھوں نے دل تھام کر سوچا،

"یہی اضطراب برسوں بعد مجھے یہاں لایا ہے۔" وہ زیر لب بولے "دیار غیر میں مرنا میرے لئے مشکل ہو جاتا۔ جب سانسیں بکھرنے لگتیں تو کسی اپنے کا محبوب چہرہ آنکھوں کے سامنے نہ ہوتا اور آسانی سے دم نہ نکلتا۔ اچھّا ہوا کہ مرنے سے پہلے ان گلیوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا اپنے گھر کی چوکھٹ چوم آیا۔ آہ! میرے ماں باپ، میری معصوم سی بہن، کیا انقلاب آگیا ان برسوں میں کچھ مر کے جدا ہو گئے، کچھ جیتے جی! ہائے ہنستی! میں تمہارا سب سے زیادہ گنہ گار ہوں بہت ستایا ہے تمہیں، تمہارے آنسوؤں کا سبب بنا ہوں، دل شکنی کی ہے تمہاری، میرے پیارے فرشتہ صفت دوست! میرے افتخار میں تمہارا قاتل ہوں، کاش معلوم ہوتا کہ تمہاری آرام گاہ کہاں ہے، میں اسے آنکھوں سے بوسہ دیتا۔ پلکوں سے جھاڑتا۔ اپنے آنسوؤں کے پھول چڑھاتا معافی مانگتا۔ تم بہت اچھے تھے، ضرور معاف کر دو گے مجھے!"

پھر وہ بے اختیار رونے لگے۔ آنسوؤں پر کوئی قابو نہ رہ گیا تھا۔ بہت دیر تک رونے کے بعد دل ہلکا ہو گیا۔ اور بستر پر آ کے بیٹھ گئے۔

تبھی کسی نے دستک دی۔

"آؤ بھائی!" انھوں نے کہا

بیرہ تھا۔ دور دور سے وہی اُن کی سروس میں تھا بولا "صبح کے سات بج گئے ہیں، سرکار دو مرتبہ دیکھا آپ کمرے میں نہیں تھے، ناشتے میں کیا حاضر کروں۔ آپنے رات بھی کم ہی کھایا تھا"

"دو تین سلائس اور ایک کپ کافی!"

"بس حضور؟"

"بس میاں!"

"سرکار! گرم نہاری اور شیرمالیں تیار ہیں، لے آؤں؟"

وہ مسکرائے "نہیں بیٹے! شکریہ، میں نے جو کہا ہے وہی لے آؤ، تازہ چیزیں جو تیار ہیں وہ میرے حساب سے تم کھا لینا"

"اچھا صاحب" وہ خوش ہو کر ہنستا ہوا بھاگ گیا۔ ایک منٹ بعد پھر کسی نے دستک دی

"کون صاحب؟" انھوں نے سوچا اور آواز بڑھا کر کہا "آجائیے!"

دروازہ آہستہ سے کھلا، ایک جانی پہچانی شبیہ دروازے میں کھڑی رہ گئی۔

"مجھے پہچانا؟" نووارد صاحب دلپذیر انداز میں مسکرا رہے تھے۔

۔ پرویز کھڑے ہو گئے "افتخار؟ یا میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں، میں خواب دیکھ رہا ہوں، افتخار یہ تم ہو!"

"ہاں! یہ میں ہوں!" افتخار نے باہیں پھیلا دیں "آؤ میرے گلے لگ جاؤ!"

پرویز آگے بڑھے اور افتخار کے گلے لگ گئے افتخار نے انھیں سینے سے بھینچ لیا۔ پھر وہ تو

فرطِ مسرّت سے ہنسنے لگے لیکن پرویز خود ندامت سے رو پڑے۔ افتخار انھیں لئے پلنگ پر آ بیٹھے اور اپنے رومال میں ان کے آنسو سمیٹتے ہوئے بولے۔

"جویریہ کے بچّے احتشام کو تم اپنا ٹوہ دے گئے تھے، اس نے مجھے بتایا۔ بس میری حالت غیر ہو گئی، ساری رات پل بھر کے لئے آنکھ نہیں لگی، اگر طوفانی بارش نے میرا راستہ نہ روکا ہوتا تو رات ہی میں تم کو لینے آتا۔ بنیش کی بچی سے تم کہہ گئے تھے کہ بس اسٹیشن کے پاس ہوٹل میں ٹھہرے ہو، آسانی سے تمہیں ڈھونڈھ نکالا۔ تم گھر گئے لیکن سب سے ملے بغیر کیوں چلے آئے، اپنا نام شاہد کیوں بتایا۔ کیا کسی سے ملنے کو جی نہیں چاہتا؟"

"نہیں!" پرویز نے نفی میں سر ہلایا، "میں کسی سے نہیں ملوں گا، جیسا آیا ہوں ویسا ہی چلا جاؤں گا۔ میری کوئی ضرورت نہیں رہ گئی، تم سب سے شرمندہ ہوں اب تو معافی مانگنے کا بھی منہ نہیں، بہت نادم ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ابا ختم ہو چکے، اماں کا دماغی توازن بگڑ چکا ہے نزہت بیاہ گئی۔ اب کیا رہ گیا۔"

"بہت کچھ رہ گیا ہے بھائی بہت کچھ" افتخار نے کہا "تمہاری بیوی ہے، پیاری سی بچی ہے جویریہ اور اس کے بچے ہیں۔ رات مسلسل تمہاری باتیں کر رہی تھی، تم اسے اپنے لگے تھے، خون کی کشش بڑی عجیب ہوتی ہے۔"

"میری بچّی!"... پرویز کا لہجہ آنسوؤں میں ڈوب گیا۔ "کتنی بڑی ہے کیا نام ہے اس کا کیا اس نے مجھے یاد کیا تھا؟"

"خدا کے فضل سے سترہ سال کی ہے، بی اے میں ہے، چچا صاحب نے اس کا نام ندرت رکھا تھا۔ بہت پیاری بچّی ہے۔"

بیرہ چائے مکھن اور سلائس لے آیا۔ مگر افتخار دس کا ایک نوٹ ٹرے میں رکھتے بیرے سے بولے "یہ ناشتہ لے جاؤ، صاحب میرے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"افتخار! میرے بھائی سنو!" پرویز نے کہا
"اٹھو چلو!" افتخار نے انھیں بازو پکڑ کر اٹھا دیا "سب کے ساتھ ناشتہ کرنا تم کیا سمجھتے ہو، میں تم کو یہاں چھوڑ کے چلا جاؤں گا؟"
"میں پھر آؤں گا!" پرویز نے کہا "تم سے نظریں چار کرنے کی ہمت تو پیدا کر لوں۔"
"سب ناسمجھی کی باتیں ہیں، سنو، تمہارا وار چھچھلتا پڑا تھا، میں تو ہفتہ بعد ہی ٹھیک ہو گیا تھا،" افتخار نے کہا "اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم خود میں ہمت پیدا کر لو، ورنہ حاشا وکلا شرمندہ کرنا مقصود نہیں ہے، چلو میرے ساتھ!"
"کسی کو میری کمینگی کا پتہ ہے؟"
"ہرگز نہیں! مگر تمہاری واپسی کا یقین تھا دل کہتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے!"
"افتخار؟ بنتش کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہے،" افتخار نے ہنستے ہوئے کہا "خدا کی قسم پرویز! وہ تب بھی میری بہن تھی اور اب بھی میری بہن ہے۔ میں تم سے سچ ——"
"ہاں!" پرویز نے افسردگی سے سر ہلایا "تم سچ کہتے ہو، دماغ پر تو میرے شیطان کا قبضہ تھا، مگر اب استدعا ہے کہ پچھلی باتیں مت دہراؤ!"
"اچھا تو اب چلو، یہی ایک سوٹ کیس ہے تمہارا؟" افتخار نے پوچھا۔
"تو مجھے لے ہی چلو گے؟"
"یقیناً!"
"افتخار تم کو معلوم نہیں کہ میں کیوں آیا ہوں،" پرویز نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "میں پانچ سال سے ایک برے مرض میں مبتلا ہوں۔ میرا دل بڑھ گیا ہے دو شدید دورے پڑ چکے ہیں ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ تیسرے دورے میں جانبر ہونا دشوار ہے۔ اسی لئے تو میں نے سوچا ہے

...مروں جہاں چلتا پھرتا رہا ہوں۔"

"میں تمہارا علاج کراؤں گا، اچھے ہو جاؤ گے! بس اب اٹھو!"

پرویز افتخار کی ضد اور اصرار کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور آمادہ ہو گئے۔ افتخار نے ان کا وزنی سوٹ کیس اٹھا لیا۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے۔

آٹھ بجے کے قریب حویلی میں وہ لوگ ناشتے کی میز پر بیٹھ گئے تھے تب پرویز اور افتخار نے حویلی میں قدم رکھے۔ سب نے بڑی حیرت سے انھیں دیکھا۔

"ارے آپ! کل والے انکل؟" وردہ بے اختیار بولی

"تمہاری انکل!" افتخار نے سرگوشی کی اور وردہ سے بولے "آؤ ان سے ملو!"

وردہ پاس آئی اور پرویز نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر وہ ضبط نہ کر سکے۔ ان کے آنسو سچے موتیوں کی طرح وردہ کی مانگ بھرنے لگے وہ بےحد پیار سے کہہ رہی تھی انکل! آپ میرے کون ہیں، مجھے بےحد اپنے لگتے ہیں۔ کل آپ کے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ آپ کو روک کیوں نہ لیا۔ آپ بارش میں بھیگ گئے ہونگے۔"

پرویز نے کوئی جواب نہ دیا۔ بینش انھیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں جویریہ نے تعجب سے کہا "میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ ——"

"وردہ بیٹی! میرے لئے کافی لے آؤ!" پرویز نے کہا۔

"ناشتہ تیار ہے، بیٹھ جاؤ!" افتخار بولے اور الطاف احمد سے یہ کہہ کر کہ پرویز ان کے رشتے کے بھائی ہیں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

پھر ناشتے کے بعد جب وردہ اور بچے اسکول اور کالج چلے گئے تب الطاف احمد بھی اٹھ گئے اور اکیلے میں پرویز نے بینش اور جویریہ سے کہا۔

"یہ میری درخواست ہے، وردہ کو کبھی نہ معلوم ہو کہ میں اس کا باپ ہوں۔ میں نہیں

چاہتا کہ اُسے اپنے باپ کا ماضی معلوم ہو، افتخار اُسے باپ کا پیار دیتے ہیں جو اس کیلئے
کافی ہے، تم خدا کیلئے میری التجا کی لاج رکھنا! وہ سمجھدار ہے تعلیم یافتہ ہے، وہ مجھ سے
نفرت کرنے لگے گی۔ وہ مجھے چچا کہتی ہے۔ یہی اسے سمجھنے دو!"

"مگر آپ چلے کیوں گئے تھے؟" جویریہ نے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے جویریہ!" پرویز نے کہا "افتخار سے سُن لینا! اپنی کہانی خود نہ کہہ سکوں گا"

"ارے بھئی چلے گئے، چلے آئے، اس میں کہانی کیا؟" افتخار نے بات ٹال دی۔

"نزہت کہاں ہے کیا وہ مجھ سے ملنے آ سکتی ہے؟" پرویز نے کہا۔

"فون کر دونگا، آ جائیگی" افتخار بولے "انسپکٹر پولیس کی بیگم ہیں، پہچان نہ سکو گے؟"

"اس سے کہنا کہ جلد سے جلد آئے" عجیب سے لہجے میں پرویز نے کہا۔

"ضرور کہدوں گا، اب تم آرام کرو!"

"کہاں جاتے ہو افتخار! کم سے کم آج بیٹھو میرے پاس بیٹھو" پرویز بولے۔

"میں نہا کے آتا ہوں ذرا سا" افتخار نے کہا اور جویریہ کو بھی اشارہ کیا۔ وہ بھی اٹھ آئی اور
پرویز نے بینش سے کہا "اگر افتخار زبردستی نہ لاتے تو میں آتا، میں تم سے معافی کیسے مانگتی؟"

"آپ بے کہے سنے چلے گئے" بینش بولی "اور مجھ پر کیا کچھ نہ گذر گئی! ایک ابا اماں کا
سہارا تھا ابا آپکو یاد کرتے کرتے چل بسے، اماں پاگل ہو کر گھر سے نکل گئیں اور ابا کی
قبر پر مردہ پڑی ملیں" بینش رو پڑی "آپ چلے گئے، اور کسی کا حال بھی نہ پوچھا۔

پرویز نے بینش کا ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں پہ رکھ لیا۔ ان کے آنسو اس کا ہاتھ بھگونے
لگے، گلوگیر آواز میں بولے "بینش میری کہانی ایسی نہیں کہ تم سن سکو، ویسے کوئی لمحہ تم سب کی
یاد سے خالی نہیں گذرا۔ اور اسی میں دل کا بیمار بن گیا۔ میرا دل بڑھ گیا ہے اور ڈاکٹروں کے
مطابق میں کسی بھی وقت مر سکتا ہوں۔"

"خدا نہ کرے" بینش بولی "اب آپ سب بھول جائیے، میں وردہ سے کہونگی کہ آپ اس کے باپ ہیں"
"نہیں بینش!" پرویز نے کہا "میں اس کی مشکوک نظریں برداشت نہ کر سکوں گا۔ تم
یہ التجا مان لو بینش! میری خاطر وعدہ کرو" پھر پرویز بہت مضطرب ہو گئے۔

"ارے دل بھاری کیوں کرتے ہو جو ہونا تھا ہو گیا" بینش نے تسلّی دی مگر پرویز کو قرار نہ تھا
روتے ہوئے بولے "بہت کچھ یاد آرہا ہے بینش!" اور پچھلی یادوں پر وہ رو پڑے، اسی عالم
میں دفعتہً انکی حالت غیر ہو گئی اور انکی سانسیں بے ربط ہو گئیں اور وہ تکیے پر گر پڑے، بینش
گھبرا کر چیخی "جوہی! جلدی سے افتخار کو بلاؤ انھیں کچھ ہو گیا ہے" اور سب دوڑ پڑے
پرویز کی سانس پھول رہی تھی، بینش ان کا سینہ سہلاتے ہوئے انھیں آوازیں دے جا رہی تھی پرویز
کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے،

"کیا ہوا، ابھی تو اچھے تھے" افتخار بولے "گھبراؤ نہیں میں ابھی ڈاکٹر کو لاتا ہوں" لیکن
پرویز نے ہاتھ اٹھا کے روکا اور بمشکل بولے "نہیں اب ڈاکٹر کیا کرے گا یہ تیسرا دورہ ہے، اب بچنا
ممکن نہیں ہے، سنو افتخار میری بات سنو!" پرویز نے سنبھالا لیا "میرے سوٹ کیس میں
کئی لاکھ کی رقم ہے وہ تم سب کی ہے زیورات سب وردہ کو دیدینا، اور بینش میں نے آج
تک تم کو کچھ نہیں دیا۔ تم پر ظلم کئے ہیں، جاتے جاتے تمہیں ایک قیمتی تحفہ دینا چاہتا ہوں ——
افتخار! میری بینش بہت اچھی ہے وہ تم کو بہت چاہتی ہے، میرے بدترین سلوک کی تلافی کرنا
اور اُسے شرعی تحفظ دیدینا۔ میرے بھائی وعدہ کرو کہ میری مشکل آسان ہو" ان کے ایک
ہاتھ میں بینش کا ہاتھ تھا دوسرا ہاتھ افتخار نے تھام رکھا تھا دونوں پرویز کے پہلوؤں پر
تھے انھوں نے ان کے ہاتھ اپنے سینے پر ملا دئے اور مسکرائے، زبان سے اللہ نکلا
"پرویز!" افتخار چیخے، بینش بے ہوش ہو کر گر گئی۔ مگر سب کی آہ و فغاں سے بے نیاز
عدم کا مسافر اپنی راہ چلا گیا ——

ختم شد

انگارہ
اسود

مترجمہ